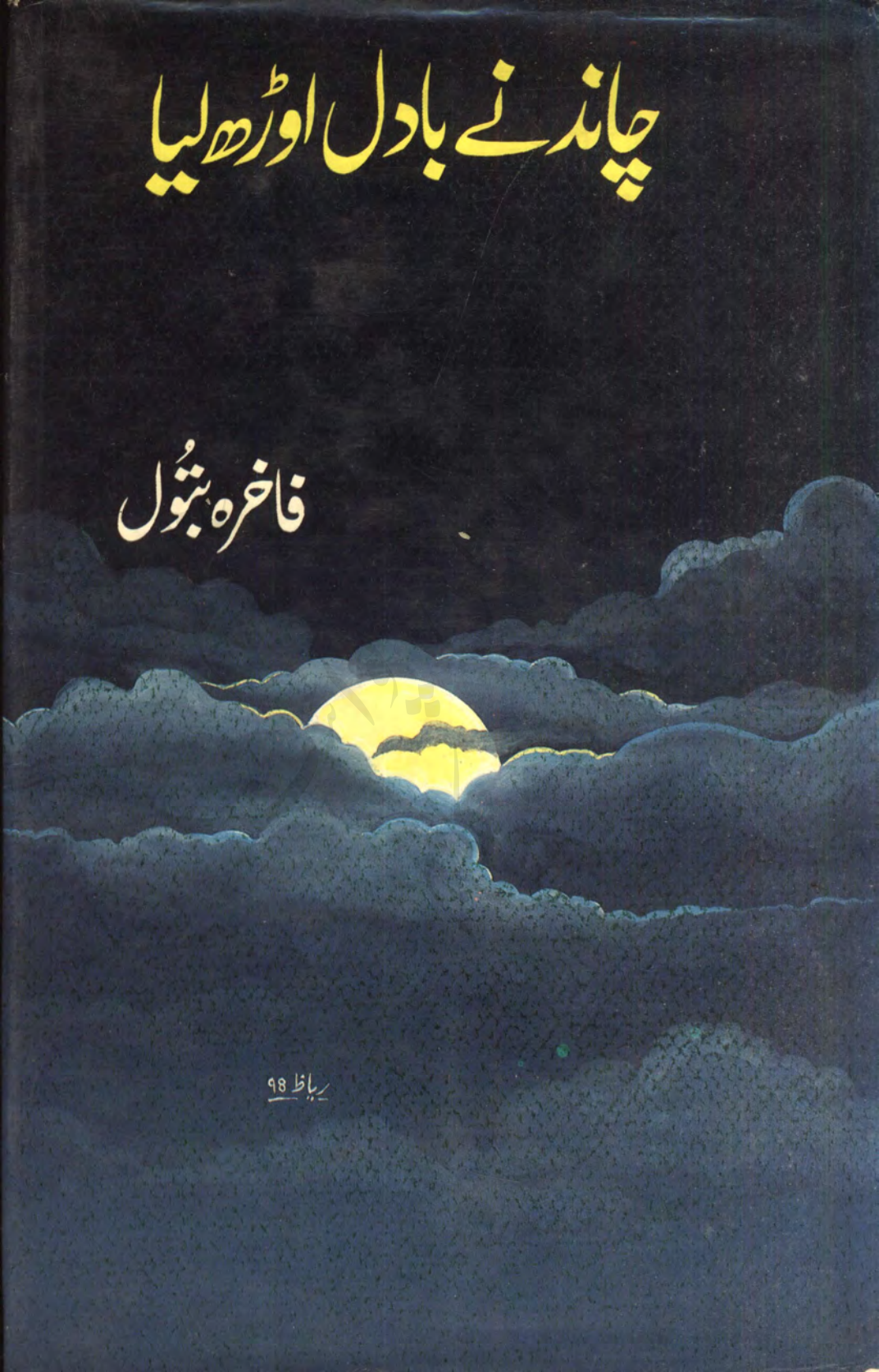
چاند نے بادل اوڑھ لیا

فاخرہ بتول



رباط ۹۸

پھر آج حق کے لیے جاں فدا کرے کوئی
وفا بھی جھوم اُٹھے یُوں وفا کرے کوئی
نماز چودہ صدی سے ہے منتظر لوگو!
حسینؑ کی طرح آئے ادا کرے کوئی

فہرست

قطعہ	۱۳
دل میں پھر درد ہوا دیر تلک	۱۵
گڑیا آج بھی اندھی ہے (نظم)	۱۷
محبت کی یہی تعریف ہے کہ	۱۹
بدلی بدلی سی فضا لگتی ہے	۲۱
تُو اور میں (نظم)	۲۳
چلو اِک نظم کہتے ہیں (نظم)	۲۵
اُس کو جو کہنا تھا پل میں کہہ گیا	۲۶
فیصلہ (نظم)	۲۷
وصل (نظم)	۲۹
زبان کانٹا سا بن گئی ہے	۳۰
منافق (نظم)	۳۱
آوا گون	۳۲
تمہارے روپ سے بڑھ کر کہیں جمال نہیں	۳۴
تخیّل	۳۶
اِک چیخ ابھی تک باقی ہے	۳۷
اچھا ہی تھا ہوش گنوانا	۳۹
مرد اور کمٹمنٹ؟	۴۱

خُوئے مرگ ۴۲
یُوں دل کو ہر اک شخص پہ وارا نہیں کرتے ۴۴
تجویز ۴۶
محبت روٹھ جائے تو ۴۷
اُس کی آنکھوں میں ایک سایہ ہے ۴۹
وچھوڑا آپ روتا ہے ۵۱
پاگل کیوں کہتے ہیں.....؟ ۵۲
لہُو لہُو ہے گلابُوں کی داستاں دیکھو ۵۴
انا اِک ناؤ ہے ۵۶
کیوں.....؟ ۵۷
جو فاصلے میں ہیں دل بہم سے ۵۹
اُداس لڑکی ۶۱
آج پھر دیر تلک ۶۲
مسند پہ جو سرکار نظر آنے لگے ہیں ۶۴
خاموش گواہ ۶۶
صحرا دل میں آن بسا ۶۷
چہرہ عکّاس دل کی ہلچل کا ۶۹
اعتراف ۷۰
لاحاصل انتظار ۷۱
نذر امام مظلومِ کربلا ۷۳
ستم گر ۷۵
اور ہم دونوں ہار گئے ہیں ۷۶
اُسے روکتے بھی تو کس لئے؟ ۷۸
تُمہیں واپس بھی جانا ہے ۷۹
ہم پہ الزام جو دھر جاتا ہے ۸۱
جواب ۸۲
میرا پیار حرفِ غلط نہیں ۸۳
پُھولوں سے دامن کو بھرنے آئے ہو ۸۵
ہو سکتا ہے ۸۶
دیکھو مجھ سے پیار نہ کرنا ۸۷
ہم کو برباد اُسی نے کیا جب جان لیا ۸۹
خُوشی بھی اِک اُداسی ہے ۹۰
ناموس کشمیر ۹۱
وصل کا گیت سناتے کیوں ہو ۹۶
تم اُداس ہو ۹۸
بازیگر ۹۹
ایسا لگا کہ درد کسی نے گھٹا دیا ۱۰۱
آج تمہاری سالگرہ ہے ۱۰۲
محرّم کے چاند سے پُوچھنا ۱۰۳
آس ٹوٹی ہوئی سی لگتی ہے ۱۰۵
مجھے اک بات کہنی ہے ۱۰۷
تانگہ بان ۱۰۸
رُخ ہواؤں کا بدلتا ہی گیا ۱۱۰
وہ اک لڑکی ۱۱۲
کیسے وہ لوٹ آئے کہ فرصت اسے نہیں ۱۱۴
چاند نے بادل اوڑھ لیا تھا ۱۱۶
کبھی دھرتی پہ ستاروں کا گماں ہوتا ہے ۱۱۷
دیکھو اب انکار..... ۱۱۸

یہ اکھیاں جھوٹی سکھیاں ہیں ۱۱۹

دل کا چپ چاپ نگر کیسا تھا ۱۲۱

ادراک ۱۲۳

پھر سے پیار کا دھوکا کھایا جا سکتا تھا ۱۲۵

یہ طے ہوا تھا ۱۲۷

لوگ کیوں بس کے اُجڑتے ہیں کبھی سوچا ہے ۱۲۹

ایک تھی کہانی ۱۳۱

وہ بدگماں ہے اُسے بدگماں تو ہونا تھا ۱۳۳

مسافر ۱۳۵

اب کسی سے جو سلسلہ رکھنا ۱۳۷

پھر کیا ہوا --------- ؟ ۱۳۹

دُکھوں سے ربط گہرا تھا یہ ہم نے دیر سے جانا ۱۴۰

لاکھ چاہیں ہم مقدّر کو بدل سکتے نہیں ۱۴۱

یاد ۱۴۳

بہت مُشکل وفا کے سلسلے ہیں ۱۴۵

محبت ریت جیسی ہے ۱۴۷

وہ اجاڑ سا تھا جو اک نگر مجھے یاد ہے ۱۴۸

کرائے کے لئے خالی ہے ۱۵۰

آئی تھی اک صدا سی مگر یاد اب نہیں ۱۵۱

تاخیر ۱۵۳

زندگی کے ساز کا ٹوٹا ہوا ہر تار ہے ۱۵۴

نشاں وہ مٹ گیا لیکن ۱۵۵

حاصل دید کی ضرورت ہے ۱۵۶

مرکز --------- ۱۵۷

مقدّر سے کہو پھر سے ستم ایجاد مت کرنا ۱۵۸

فاصلے بڑھا کر تم ۱۵۹

چاند سا چہرہ ہو تو بولو کیا ہوتا ہے ۱۶۰

یُوں خوابوں میں کیوں آتے ہو؟ ۱۶۱

یوں وفاؤں کے مفاہیم میں ترمیم نہ کر ۱۶۲

ابھی سے کیسے یہ تم نے سوچا؟ ۱۶۳

زندگی پیار کا اعجاز بھی ہے ۱۶۵

بھکارن ۱۶۶

وفا کی اِس کہانی کو تو یُوں ہی عام ہونا تھا ۱۶۸

یہ سوچ لینا ۱۷۰

دل کا سُونا شہر بسانا اچھا تھا ۱۷۱

سوچو ساون کیوں روتا ہے؟ ۱۷۳

مرغزاروں کو تِرا نام دیا کرتے تھے ۱۷۴

ریت پر لکھنے کا پہلے مجھے موسم لا دو ۱۷۵

موم کو دُھوپ میں ہر طور پر پگھلنا ہو گا ۱۷۶

اُسے جانے کی جلدی تھی ۱۷۷

ڈولتی کشتی کا جو پتوار ہے ۱۷۹

آنکھوں میں بے کنار سمندر اُتر گئے ۱۸۰

ٹاس ۱۸۱

تمام عُمر رہا ہم سے بے خبر کیونکر ۱۸۲

پیر سوہاوہ کا راستہ ۱۸۴

اس کی آہٹ نظر جُھکا جائے ۱۸۵

شرارت ۱۸۷

الڑپن کے سپنے سارے اچھے تھے	۱۸۹
آ وَ بارش سے تو پوچھیں	۱۹۰
اُس کو منانا چاہئے	۱۹۱
تو سوچ لینا	۱۹۳
جب ملے حُسن کے خدا نکلے	۱۹۴
عجب اب کے بہار آئی	۱۹۵
چاند کی آنکھ نے حیرت سے تکا دیر تلک	۱۹۷
یقین سایوں میں ڈھلتے جا رہے ہیں	۱۹۹
دل کا سودا ہوتے ہوتے رہ بھی جاتا ہے	۲۰۱
محبت روگ ہوتی ہے کہا بھی تھا	۲۰۲
ملال اس کو بچھڑنے کا کچھ ہوا تو ہو گا	۲۰۴
ہوئی کسی سے ملاقات یہ تو ہونا تھا	۲۰۶
میں کیا تھی.....؟	۲۰۷

عکس خوشبو کا.....

کہتے ہیں خوشبو تعارف کی' محبت اظہار کی' شاعری بہار کی اور شہرت پی آر کی محتاج نہیں ہوتی۔ جس طرح والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد بہترین مقام پر فائز ہو اور کبھی ناکامی سے ہمکنار نہ ہو۔ اسی طرح شاعر کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے کلام کو پذیرائی حاصل ہو اور اس کو شناخت نصیب ہو اور جو شاعر اس بات کی نفی کرتا ہے۔ وہ جھوٹ بولتا ہے لیکن اپنی شناخت کیلئے دوسروں کو مٹا دینے کی سازش کرنا اور اوچھے ہتھکنڈوں سے کام لینا قابل مذمت ہے۔ میں نے شعر گوئی کا آغاز کیا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں نے پرخار راہوں پر ننگے پیر چلنے بلکہ چلتے ہی رہنے کا آغاز کردیا ہے اور منزل ہنوز دور است' لیکن اللہ اور پنج تن پاکؑ کے کرم سے مجھے منزل تک پہنچنے کا یقین ہے ---- اور پھر میری کتابوں سے جو مجھے "فیڈبیک" ملا اس نے میرے یقین کو مزید تقویت بخشی اور نتیجتاً "چاند نے بادل اوڑھ لیا" کا دوسرا ایڈیشن الحمد للہ آپ کے ہاتھ میں ہے' میں اپنے قارئین کی شکر گزار ہوں جنہوں نے اندرون ملک اور بیرون ملک سے مجھے ڈھیروں خطوط ارسال کئے۔ "پلکیں بھیگی بھیگی سی" "چاند نے بادل اوڑھ لیا" اور "کہو' وہ چاند کیسا تھا؟" کو بے حد سراہا اور پسندیدگی کی سند عطا کی۔ خطوں میں مجھ سے کچھ سوالات بھی پوچھے گئے جن کے جوابات میں آج آپ کو ضرور دوں گی۔ سب سے پہلے مجھ سے پوچھا گیا کہ میرا کس ادبی گروپ سے تعلق ہے؟

جناب! میرا کسی اَدبی گروپ سے کوئی تعلق نہیں۔

عدیم ہاشمی کے حوالے سے پوچھا گیا کہ چونکہ انہوں نے "کہو' وہ چاند کیسا تھا؟" کا دیباچہ لکھا تو کیا میرا تعلق عدیم ہاشمی گروپ سے ہے؟ اور کیا میں عدیم ہاشمی کے لکھے ہوئے دیباچے سے متفق ہوں؟

جناب! جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے میرا تعلق کسی ادبی گروپ سے بالکل نہیں ہے۔ رہا سوال دیباچے سے متفق ہونے کا تو میرے خیال میں شاعر کا دیباچہ نگار کے خیالات سے متفق ہونا لازم نہیں ہے لیکن میں اس بات سے اتفاق کرتی ہوں کہ "دیباچہ" شاعر اور اس کی شاعری کا تعارف ہو نا کہ دیباچہ نگار کی "آپ بیتی"

آخر میں' میں صفدر حسین اور ڈاکٹر اجمل نیازی کا شکریہ ادا کروں گی جن کی بے لوث دوستی اور مفید مشوروں نے مجھے "ادب کی رائج الوقت بیساکھیوں" کے بغیر منزل تک پہنچنے کا حوصلہ عطا کیا۔ ایک مرتبہ پھر آپ سب کا شکریہ۔

آپ کے مشوروں اور دعاؤں کی منتظر

فاخرہ بتول

مکان نمبر BB - 644 / A
گلی نمبر3 عید گاہ - راولپنڈی

○

دل میں پھر درد ہوا دیر تلک
نہ ملی اِس کو دوا دیر تلک

میں نے خُوشبو کی حقیقت پوچھی
پھُول خاموش رہا دیر تلک

تم نے تو صرف سُنا ہی ہو گا
میں نے جو درد سہا دیر تلک

شب کو پھر میں نے سُلگتا پایا
من کا خاموش دیا دیر تلک

اُس نے کچھ اور کہا تھا شاید
میں نے کچھ اور سُنا دیر تلک

اُس نے پوچھا کہ مجھے یاد کیا ؟
میں نے تب ہنس کے کہا دیر تلک

جانے والا نہیں اک پل بھی رکا
عکس آنکھوں میں رہا دیر تلک

مصلحت رہ گئی ہونٹوں پہ بتوؔل
رُوح میں شور مچا دیر تلک

گڑیا آج بھی اندھی ہے

کھیلتے کھیلتے دونوں میں سے
ایک نے دُوجے کی گڑیا کی نوچ لیں آنکھیں
لڑکی چیخی،
دیکھو، تم نے میری گڑیا اندھی کر دی
اب سپنے کیسے دیکھے گی ؟
لڑکا نادم ہو کر بولا ——
میں جب ابّو جتنا ہو کر، شہر گیا تو،
یہ وعدہ کرتا ہوں تم سے،
سب سے پہلے،
اس کی آنکھیں لاؤں گا

سُنا ہے شہر گیا وہ اِک دن
جانے اس کے بعد ہوا کیا'
یہ معلوم نہیں ہے لیکن
آج اچانک اُس لڑکی کو راہ میں دیکھا
ہاتھ میں اُس کے اِک گڑیا تھی
ہاں بتلانا بھول گئی میں'
گڑیا آج بھی اندھی ہے

محبت کی یہی تعریف ہے کہ.....

ازل سے ہے محبت ماورا لفظوں کی مالا سے
مگر یہ بھی حقیقت ہے
محبت سوچ کے آکاش پر بادل کی صُورت میں'
سدا پرواز کرتی ہے
کبھی بارش کی بُوندوں میں سمٹ کر دل کی دھرتی پر'
اُترتی ہے —— بکھرتی ہے
ادا لے کر صبا سے یہ' گلابوں سے مہک لے کر
دھنک سے رنگ لے کر اور ستاروں سے چمک لے کر
حسیں آنچل بناتی ہے
اسی آنچل سے پھر خوابوں کے کچے گھر سجاتی ہے
محبت آزماتی ہے

کبھی یہ شعر بن کر لفظ کی حُرمت بڑھاتی ہے
کبھی یہ ساز بن کر دھیرے دھیرے گنگناتی ہے
سراپا آنکھ بن جاتی ہے یہ محبوب کو پاکر
انوکھا لمس بن جاتی ہے کوئے یار میں جاکر
نہ جانے کون سا منتر یہ پڑھ کر ہولے ہولے سے
کسی کی بند پلکوں میں بنا دستک دیے یکدم
اتر کر گھر بناتی ہے —— محبت مسکراتی ہے
یہ خُوشبو ہے ہمیشہ پھُول کی سانسوں میں ہوتی ہے
بنا دے چاند، تیرہ شب کو جو یہ ایسا موتی ہے
کسک ہے دائمی اس میں بہت بے نام لذّت ہے
محبت کی یہی تعریف ہے کہ یہ محبت ہے

○

بدلی بدلی سی فضا لگتی ہے
ساری دُنیا ہی خفا لگتی ہے

دل کا دروازہ کھُلا چھوڑ دیا
تیرے قدموں کی صدا لگتی ہے

سینکڑوں چھید ہیں اس میں لیکن
کتنی اچھی یہ ردا لگتی ہے

چاند ہو جیسے ستاروں سے الگ
ایسے نینوں میں حیا لگتی ہے

تیری قُربت میں جُھکی سی یہ نظر
ایک معصوم دُعا لگتی ہے

مرحلہ موت کا مُشکل ہے مگر
زندگی اس سے سوا لگتی ہے

اب کے رُوٹھے نہ منایا تُم نے
یہ بچھڑنے کی ادا لگتی ہے

کس کی آنکھوں کا اثر ہے یہ بتوؔل
کالی کالی سی گھٹا لگتی ہے

تُو اور مَیں

تُو اِک چاند ہے روشن روشن
میں اک دھرتی سُونی سُونی
خاک کو اوڑھے
ہر پل ترسوں —— ہر پل ترسوں
پیار کا بادل آئے کوئی
ٹُوٹ کے برسے
میرا آنگن جل تھل کر دے
میں اک دھرتی سُونی سُونی
اور اُفق پر جب بھی آئیں
اندھی رات اور کالے سائے
میرا اندر ڈر ڈر جائے

ہر پل سوچوں —— ہر پل سوچوں
کاش کہیں سے تُو آ جائے
مانگ ستاروں سے بھر جائے
تیری بانہوں میں چھُپ جاؤں
اور کرن تیری کہلاؤں
لیکن تیری راہ میں رقصاں
اتنے سارے 'سُندر تارے' روشن سارے
ان کو چھوڑ کے تو کیسے پاتال میں آئے
جان چُکی ہوں' جان چکی ہوں
تو اِک چاند ہے روشن روشن
میں اک دھرتی سُونی سُونی
خود سے سب کچھ کہنا ہو گا
مجھ کو تنہا رہنا ہو گا

چلو اِک نظم کہتے ہیں

وہ برکھا رت کی بُوندوں میں
کسی چھُوٹی سی وادی میں
گزارے جو تمہارے ساتھ' اُن انمول لمحوں پر
بہت معصُوم جذبوں پر
تمُہاری شوخ آنکھوں پر
لرزتی اپنی پلکوں پر
چلو اِک نظم کہتے ہیں

○

اُس کو جو کہنا تھا پل میں کہہ گیا
جو مجھے کہنا تھا دل میں رہ گیا

پھُول کا دامن جبھی تو چاک ہے
یہ کسی کا منتظر ہی رہ گیا

جو لہو کل تک رگوں میں تھا رواں
آج آنکھوں سے وہ سارا بہہ گیا

دل کلی سے بڑھ کے نازک تھا بتولؔ
کس طرح ہجرِ مسلسل سہہ گیا

فیصلہ

چاول چُنتے چُنتے اُس نے یکدم سوچا
برکھا سر پر آ پہنچی ہے
اس موسم میں
بالی عُمر کے کچے خواب ستانے لگتے ہیں
بھُولے بسرے لوگ دھیان میں آنے لگتے ہیں
باہر کا یہ جل تھل موسم
اندر آگ لگا دیتا ہے
سوچوں کو جھُلسا دیتا ہے
بیتی رت کے بوجھل بوجھل
وہ سارے پل

اِک اِک کر کے اُس کی پلکوں پر آٹھہرے
بھیگا کاجل ——
کچھ پل سوچا اُس نے اور پھر
غور سے اپنی بیٹی کے چہرے کو دیکھا
اُس کے ہونٹوں اور پلکوں کی لرزش بھانپی
اور اِک فیصلہ کر ہی ڈالا
آج میں اس کے بابا سے یہ بات کہوں گی
برکھا رُت آنے سے پہلے،
آؤ اس کو رُخصت کر دیں

وصل

کوئی کچھ بھی کہے لیکن
مرے نزدیک تو بس اس کا مطلب مختصر سا ہے
کہ اک بپھرا ہوا ساگر ہے فُرقت جس کو کہتے ہیں
اسی ساگر میں اک چھوٹی سی نازک سی،
اُبھرتی، ڈُوبتی، موجوں سے لڑتی ناؤ ہوتی ہے
اسی کو وصل کہتے ہیں

○

زبان کانٹا سا بن گئی ہے
جو بات کہنی تھی، ان کہی ہے

کسی کی خواہش بھی کیا عجب تھی
نصیب جاگا تو سو گئی ہے

وہ دل کی بستی وہ خواب نگری
اُجڑ گئے ہم تو جب بسی ہے

طویل ظُلمت بتاؤ کب تک ؟
خفا ستاروں کی روشنی ہے

دہکتے انگار سی ہیں آنکھیں
تو کیوں یہ لہجے میں برف سی ہے

منافق

کہا اُس نے کہ شاخوں سے
جُدا پھولوں کو کرنے کی،
ہواؤں کی جو سازش ہے، اُسے اچھی نہیں لگتی
فقط اِک پل کو جی چاہا
اُسے اتنا تو کہہ دوں آج،
محبت پھُول کی اِن پتیوں سے بڑھ کے نازک تھی
جسے قدموں تلے اُس نے،
کبھی کا روند ڈالا ہے

آواگون

پتھر شہر کے لوگ تھے پتھر
گُم صُم گُم صُم، کھوئے کھوئے
جذبوں کی لذّت سے عاری
برسوں پہلے،
شہر کی پتھریلی دھرتی پر،
ایک مہکتا پھُول کھلا تھا
ریشم جیسا، نکھرا نکھرا
یاقُوتی دوشالہ اوڑھے
پتھر آنکھوں نے یہ منظر غور سے دیکھا
سوچ میں پڑ گئیں
یہ انہونی بات ہوئی ہے کیونکر ہونی

کون کون ہے اس سازش میں،
پہلے اُس کو ڈھونڈا جائے
اور سزا وہ فوراً پائے
آخر بارش کی بوندوں کو،
مجرم ٹھہرایا لوگوں نے
پتھر کا مُنصف یہ بولا،
شہر بدر بارش کو کر دو
اور سزائے موت مقدر پھُول کا ٹھہری
پتھر ہاتھوں نے اس پھول کی،
جان مسل کر لے لی یکدم
لیکن بھینی بھینی خوشبو،
پتھر ہاتھوں پر زندہ ہے

○

تُمہارے رُوپ سے بڑھ کر کہیں جمال نہیں
کسی کے لفظ ہیں میری تو کچھ مجال نہیں

کسی کی باتوں میں آ کر اسے گنوانا مت
ہے دل تو گوہرِ نایاب، یہ سفال نہیں

فلک ہے اِن کا ٹھکانہ وہاں چمکتے ہیں
ٹھہر گئے ہیں جو پلکوں پہ تو کمال نہیں ؟

کہاں تُمہاری نظر میں مِرا مقام بھلا
مگر یوں دل سے تو اپنے مجھے نکال نہیں

کہا، یہ تھام لی دیوار تو یونہی ورنہ
نہیں بچھڑنے کا مجھ کو ذرا ملال نہیں

زمیں سے کرچیاں کیوں چُن رہی ہے آج بتول
نہیں کہا تھا تجھے دل کو تو سنبھال، نہیں؟

تخیّل

اپنے ہاتھوں سے مٹی کو،
گوُندھ کے باوا ایک بنائیں
پھر اس میں کچھ سانسیں اپنی،
گِن کر ڈالیں ——
جاگ اُٹھے وہ ہولے ہولے
چاروں جانب دیکھے، سوچے، سمجھے لیکن کچھ نہ بولے
جس دن اس کی چُپ ٹُوٹے تو،
چھُوٹ کے ہاتھوں سے وہ یک دم،
پھر سے بس مٹی بن جائے

اِک چیخ ابھی تک باقی ہے

تم سات سمندر پار گئے
تو ایسے لگا، کہ ساتوں صدیاں بیت گئیں
آ آ کر موسم ملنے کے
بالآخر تھک کر لوٹ گئے
کچھ، لوگوں نے نشتر اُگلے،
کچھ اپنوں نے بے حال کیا
کچھ ہجر کی لمبی اور کالی
راتوں نے ہمیں نڈھال کیا
احساس کے گھاؤ گہرے تھے
کوئی وید بھی ان کو بھر نہ سکا
کچھ، خواب کے بوجھل منظر تھے

جاگے تو کچھ بھی پاس نہ تھا
بہتر تھا نہیں ہوتے ہم لوگ
یہ ہونا ہم کو راس نہ تھا
کچھ مت پوچھو'
اس عرصے میں کیا کیا نہ ہوا
کیا کیا نہ سنا —— کیا کیا نہ سہا
تھا کتنی چھاگل پانی جو'
نینوں سے برسوں تک برسا
لیکن دیواریں سینے کی'
اب بھی اکثر ہل جاتی ہیں
یوں لگتا ہے یہ کہتی ہیں
تم اندر جھانکو تو جانو'
اک چیخ ابھی تک باقی ہے

○

اچھا ہی تھا ہوش گنوانا
زیست بنی آخر افسانہ

جو اپنا تھا غیر وہی ہے
دل نے رفتہ رفتہ مانا

خوشیاں جھوٹے ریشم جیسی
سچا غم کا تانا بانا

خوار تمہیں یہ کر ڈالے گا
دل کی باتوں میں مت آنا

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

بھُولنے والا یاد آتا ہے
پھیل گیا کاجل تو جانا

سوتے میں چونکا دیتا ہے
خواہش کا آسیب پُرانا

چندا چھت پر چوری بھانپے
آنکھ بچا کر، آنکھ ملانا

مرد اور کمٹمنٹ..... ؟

تمہیں پانے، اپنا بنانے کی خواہش بالکل ایسے ہی تھی
جیسے موسم خزاں میں گلابوں کی تمنا کرنا
کاغذ کے پھُولوں کا مہکنا
صحرا سے پانی طلب کرنا
پتھر سے حالِ دل کہنا
اہلِ زر کے دلوں میں جذبہ محبت پنپنا
رگوں میں خون کی جگہ پارہ دوڑنا
آج کے دور میں سچ بولنا
یا پھر کسی بھی دور میں کسی بھی مرد کا اپنی کمٹمنٹ کو پورا کرنا

خُوئے مرگ

اور پھر اُس نے آگے بڑھ کر
بکھری ہوئی موجوں کی پروا نہ کرتے ہوئے گھڑے کو تھاما،
اور پانی میں کود گئی
مگر کیوں ——؟
دراصل اُسے اپنے محبوب سے ملنا تھا
اُس کا محبوب ندی کے پار اُس کا منتظر تھا
پھر کیا ہوا——؟
پھر یُوں ہوا کہ گھڑا دغا دے گیا
مگر کیسے——؟
گھڑا کچی مٹی کا تھا، آگ سے نامانُوس ہوا مخالف تھی،
اور پانی نامہربان

تو گویا چاروں قوتیں اس کے خلاف محاذ بنا چکی تھیں؟
ہاں بالکل ——
پھر کیا ہوا ——؟
پھر، پھر کیا ہونا تھا محبت ایک مرتبہ پھر موت سے شکست کھا گئی،
اور زمانہ ایک بار پھر جیت گیا
سُنو، زمانے کو تو چلو عادت سی ہے ہر بار جیتنے کی،
یہ محبت آخر اپنی مرنے کی خُو ترک کیوں نہیں کر دیتی؟

○

یُوں دل کو ہر اِک شخص پہ وارا نہیں کرتے
آنکھوں میں ہر اِک عکس اُتارا نہیں کرتے

ہونی ہے تو اِک بار ہی ہو جائے محبت
یہ بھُول ہے ایسی کہ دوبارہ نہیں کرتے

اچھا ہُوا میں نے ہی فقط دیکھا مگر یُوں
محفل میں کسی کو بھی اشارہ نہیں کرتے

مِل جائے سرِ راہ جو بچھڑا ہوا کوئی
چُپ چاپ ہی تکتے ہیں پُکارا نہیں کرتے

کیوں پیار کی بازی سے ہو اس درجہ گُریزاں
کہتے ہیں کہ دل ہار کے ہارا نہیں کرتے

کاجل سے بھی اب کام کوئی لے ناسہیلی !
یُوں درد سے آنکھوں کو سنوارا نہیں کرتے

تجویز

زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا
دل کی دھڑکن تھم جائے گی
لوگ ہنسیں گے اور کہیں گے
ہم تو پہلے ہی کہتے تھے
برف پگھل سکتی ہے لیکن
بھڑک اُٹھے یہ ناممکن ہے
چھوڑو جو بھی کہتے ہیں کہنے دو اُن کو
آؤ جاناں !
آج وفا کا آخری ناطہ توڑ کے دیکھیں

محبت رُوٹھ جائے تو ——

وفا جب مصلحت کی شال اوڑھے،
سرد رُت کا رُوپ دھارے
دل کے آنگن میں اُترتی ہے
تو پلکوں پہ ستاروں کی دھنک مُسکانے لگتی ہے
کبھی خوابوں کے اَن چھُوئے ہیولوں سے بھی،
ان دیکھی سی، انجانی سی خوشبو آنے لگتی ہے
کسی کے سنگ بیتے، اَن گنت لمحوں کی زنجیریں
اچانک ذہن میں جب گُنگُناتی ہیں
نفّس کے تار میں سنّاٹا یکدم چیخ اُٹھتا ہے
تو یُوں محسوس ہوتا ہے

ہوائیں آ کے سرگوشی سی کرتی ہیں
محبت کا تمہیں ادراک اب تو ہو گیا ہو گا؟
یہ جو بھی زخم دیتی ہے کبھی سینے نہیں دیتی
محبت رُوٹھ جائے تو کبھی جینے نہیں دیتی

اُس کی آنکھوں میں ایک سایہ ہے
چوٹ کھا کر جو مُسکرایا ہے

یاد بن کر جو رچ گیا خُوں میں
اُس کو سچ مچ بہت بُھلایا ہے

لوگ کیوں آ گئے مٹانے کو
ہم نے کب شہر دل بسایا ہے

سوچ لو نیند رُوٹھ جائے گی
خواب آنکھوں میں کیوں سجایا ہے

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

ہم نے دی ہیں دعائیں اُس اُس کو
دل کو جس جس نے بھی دکھایا ہے

جانے والا تو خیر کیا آتا !
ہاں مگر درد لوٹ آیا ہے

اُس نے ہر بار ہی فریب دیا
بارہا ہم نے آزمایا ہے

وچھوڑا آپ روتا ہے

تعلق توڑنے والے تو شاید بھُول جاتے ہیں
کہ آنے والی ہر رُت سے،
گلے ملتے ہیں وہ تنہا،
مگر تنہا نہیں روتے
بہت بیکل، بہت مغموم اور بیتاب ہوتا ہے
وچھوڑا آپ روتا ہے

پاگل کیوں کہتے ہیں ——— ؟

وہ بہت دُور سے آیا تھا'
کسی انجان نگر سے ———
اُس کے پاس کچھ سُنہرے الفاظ تھے اُس کی کُل کائنات 'کُل اثاثہ
رنگ برنگے' بادلوں جیسے' تتلی کے پروں جیسے الفاظ
ہر لفظ اپنے اندر معانی کا جہان لیے ہوئے تھا'
مفاہیم کی لُغت سینے میں چُھپائے
لیکن' اُس کے لفظوں میں لہو کی مہک سب سے نمایاں تھی
مگر یہ لہو اس کا اپنا نہیں کسی اور کا تھا
وہ مُجھ سے ملا تو چونک اُٹھا
لگتا ہے تم سے پہلے بھی مُلاقات کہیں ہو چکی ہے
اُس کی آنکھیں گویا تھیں

میری آنکھوں کی زبان خشک پتے جیسی ہو گئی
تب اُس نے اپنے لفظوں کے خزانے میں سے ایک لفظ باہر نکا
اور مجھ کو سونپ دیا
میں نے جلدی سے پلکوں کی جھالر میں اس لفظ کا ستارہ اٹکا لیا
وہ لفظ خوب صورت' چُپ چاپ بولتا ہوا تھا
جانتے ہو' وہ لفظ کیا تھا؟
وہ لفظ تھا محبت'
مجھے وہ لفظ دے کر اپنی دنیا میں لوٹ گیا'
پلٹ کر دیکھا بھی نہیں
اور میں رستے میں تھک کر سو گئی
سنو' ———
لوگ رستے میں تھک ہار کر سو جانے والوں کو پاگل کیوں کہتے ہیں

لہُو لہُو ہے گلابوں کی داستاں دیکھو
ہوئے ہیں قتل بہاروں میں گلستاں دیکھو

سوئے فلک تو سدا دیکھتے ہی رہتے ہو
کبھی تو پلکوں پہ بکھری یہ کہکشاں دیکھو

کسی نے دل لگی، دل کی لگی کسی نے کہا
کسی کے جذبوں کا ہو بھی گیا زیاں دیکھو

شجر شجر کو کہانی تمہاری بتلا دی !
صبا کو سمجھا تھا تم نے ہی رازداں دیکھو

ہماری آنکھوں کی برسات دیکھتے کیا ہو
اُتر گئی ہیں لہو میں جو بجلیاں دیکھو

نشاں اُنہی کے ہیں باقی کتابِ ہستی میں
زمانہ کرتا رہا جن کو بے نشاں دیکھو !

فصیلِ جسم ہے چھلنی تو سر سلامت ہے !
عجیب رُوح میں چلتی ہیں آندھیاں دیکھو

بتولؔ جس کے لیے زندگی لُٹا دی ہے
وہ شخص آج بھی ہم سے ہے بدگماں دیکھو

اَنا اک ناؤ ہے

انا وہ ناؤ ہے
جس کا مسافر صرف موجوں کے'
جلو میں زندگی اپنی'
بتا دیتا ہے کچھ ایسے 'نہیں اس کو خبر ہوتی
کہ چاروں سمت پانی میں'
لگائے گھاٹ بیٹھا ہے
بڑا گھمبیر سناٹا

کیوں ——— ؟

وہ کہتا تھا
ہونٹ تمہارے کیوں تخلیق کیے ہیں رب نے'
جانتی ہو تم ——— ؟
میرے استفسار پہ وہ یوں گویا ہوتا'
تاکہ صبح و شام کریں اقرار یہ مجھ سے
تُم میری ہو' تُم میری ہو
پھر مجھ کو عادت سی پڑ گئی' یہ کہنے کی
میں اُس کی ہوں ———
اک دن وہ اُکتائے ہوئے لہجے میں بولا
حیرت ہے تُم ایک ہی جملہ کہہ کر نہ تو بور ہوتی ہو'

نہ تھکتی ہو

اور پھر سچی بات کہوں تو،

یہ جُملہ اب اور کسی کے ہونٹوں نے بھی سیکھ لیا ہے

سوچ رہی ہوں، پُوچھوں اُس سے

پھر سے تم بتلاؤ جاناں!

رب نے کیوں تخلیق کیا ہے اِن ہونٹوں کو ——— ؟

جو فاصلے میں ہیں دل بہم سے
یہ معجزہ ہے کئی جنم سے

دیا تو کب کا بُجھا پڑا ہے
تھی روشنی تو تُمہارے دم سے

ہوں لفظ گونگے تو راز جانو
کسی کے لہجے کے زیروبم سے

ہمیں بھی آیا نہیں منانا
خفا خفا سا رہا وہ ہم سے

ہے کتنا دُشوار مُسکرانا
کبھی تو پوچھو نا چشمِ نم سے

ہے دُھول آنکھوں میں قافلے کی
بہت مِلائے قدم، قدم سے

سوال اِک روز کا نہیں ہے
ہے رُوح پیاسی جنم جنم سے

خرید لائیں بتوؔل جا کر
خُوشی کے بھاؤ ہیں آج کم سے

اُداس لڑکی

جوبن پڑے تو،
یہ خود سے کہنا کبھی تو جاناں!
کہ تم کو آتی ہے یاد اب بھی،
وہ ایک سُندر، اُداس لڑکی
وہ کھوئی کھوئی سی آنکھوں والی
وہ اُلجھی اُلجھی سی سوچوں والی
وہ جھُوٹی مُسکان کو لبوں پر سجانے والی
وہ اپنے بارے میں دھیرے دھیرے سے تم کو سب کچھ بتانے والی
وہ بات بے بات رُوٹھ کر مان جانے والی
کبھی کبھی تو حساب وحد سے بھی یاد بڑھ کر ہے آنے والی
ستانے والی —— منانے والی
وہ ایک سندر اُداس لڑکی

آج پھر دیر تلک

آج پھر بادِ بہاراں نے میرے کانوں میں،
چپکے چپکے سے ترے آنے کا پوچھا مجھ سے
پوچھا، سندیسہ کوئی، چٹھی کوئی آئی ہے؟
گنگناتے ہوئے جھرنوں نے ذرا تھم تھم کے،
پوچھا ساجن کی خبر بولو کہیں پائی ہے؟
آج پھر رتجگا آنگن میں مرے اُترے گا
آج پھر نیند کی دیوی مرا گھر بھولے گی
آج پھر چاند کے چہرے کا یہ اَن چھُوا طلسم،
مجھے دیکھے گا تو بس دیکھتا رہ جائے گا
آج پھر بھور بھئے تک تری باتیں خود سے،
اپنی تنہائی سے کرتی ہی چلی جاؤں گی

آج پھر برہا کی ماری ہوئی بدلی کوئی،
میری آنکھوں میں جو جھانکے گی ٹھٹھک جائے گی
آج پھر دیر تلک، دیر تلک، دیر تلک
تو نہ آئے گا تری یاد چلی آئے گی

○

مسند پہ جو سرکار نظر آنے لگے ہیں
کچھ لوگ سرِ دار نظر آنے لگے ہیں

جو دل کا لہو دیتے ہیں صد بار چمن کو
وہ صاحبِ کردار نظر آنے لگے ہیں

پیروں کو جو پھر سُرخ گلابوں سے بنا دیں
وہ راستے پُر خار نظر آنے لگے ہیں

جلتے ہوئے انگاروں کو چلمن میں چُھپا لو
خوابوں کے خریدار نظر آنے لگے ہیں

پوروں سے مٹا کر بھی بہت دیکھا مگر وہ
آئینے میں ہر بار نظر آنے لگے ہیں

یہ چھید جگر کے ہیں چُھپائے نہیں چُھپتے
سب روزنِ دیوار نظر آنے لگے ہیں

ٹھہرو، ابھی قدموں سے ہیں لپٹے ہوئے گرداب
برسات کے آثار نظر آنے لگے ہیں

مایوس ہوئے غم کے تسلسل سے کچھ ایسے
ہم خوشیوں سے بے زار نظر آنے لگے ہیں

خاموش گواہ

اک گاؤں کے پنگھٹ پہ کل،
حوّا کی لاڈلی بیٹی کی
سُنتے ہیں، پائل ٹُوٹ گئی
چُنری میں چھید ہوا گہرا
ہاتھوں سے گاگر چھوٹ گئی
اور پوچھا گیا جب لوگوں سے،
ہے کون گواہ —— یہ ظلم ہوا؟
چُپ چاپ رہے، دم سادھ لیا
پانی میں شور ہوا یکدم
اور ایک دوپٹہ گیلا سا،
دریا کے کنارے آن لگا
خاموش گواہ کی صُورت میں

صحرا دل میں آن بسا

سوچو تو سہی
اِن آس نراش کی باتوں میں کیا رکھا ہے
تم جلتے بُجھتے تاروں سے کیوں پوچھ کے دیکھ نہیں لیتے
ہر روز اُفق پر آتے ہیں
چُپ چاپ زمیں کو تکتے ہیں
اور چُپکے سے سو جاتے ہیں
کیا راز ہے یہ....؟
کیا تم نے پھُول کے جیون سے کچھ سیکھا ہے؟
کیا سیپ کے من کے اندر ہے یہ جانا ہے؟
تم آگ پہ لکھنا چاہتے ہو

تم زہر کو چکھنا چاہتے ہو
تم پتھر کے سینے میں دھڑکن کھوجتے ہو
کیا سوچتے ہو ——— ؟
تم چاہتے ہو کہ ساگر کی بانہوں میں چندا مُسکائے
آنکھوں میں بستے جنگل کو ہاتھوں سے کاٹ چکے ہو جب،
تو صحرا دل میں آن بسا
اب روتے ہو؟

○

چہرہ عکّاس دل کی ہلچل کا
سُرخ آنکھوں سے رتجگا جھلکا

زخم کچھ اور کھُل گئے سِل کر
میری ہر پور سے لہو چھلکا

کھو کے تُجھ کو یہ آگہی پائی
تیرا ملنا تو خواب تھا پل کا

اک زمانہ ہوا ملے تُجھ سے
پھر بھی لگتا ہے واقعہ کل کا

رات چندا کو دیکھ کر یکدم
درد اپنا مجھے لگا ہلکا

اعتراف

ازل سے تا ابد جاناں !
فلک کے چاند، تاروں سے،
میری دھرتی کے ذرّوں سے،
پہاڑوں کی بلندی سے،
صبا کی شوخیوں سے اور پھُولوں کی ملاحت سے،
تپش خورشید کی اور چاند کی روپہلی کرنوں سے،
اُفق کی وُسعتوں اور نیلگوں گہرے سمندر سے،
کہیں زیادہ، کہیں بڑھ کر،
مجھے تم سے محبت ہے

لاحاصل انتظار

سنو، اب رات ساڑھے دس بجے
فون کی گھنٹی نہیں بجتی
لیکن اب بھی اُسی مخصوص وقت پر
سماعتوں کو انتظار ہوتا ہے
جیسے اچانک،
فون کی گھنٹی بج اٹھے گی
اور فون اُٹھانے پر،
دوسری جانب سے،
کوئی آہستہ سے پوچھے گا
سو تو نہیں گئی تھیں؟

طبیعت کیسی ہے ؟

اور ہاں دوا باقاعدگی سے لیتی ہوناں ؟

گھر میں سب لوگ کیسے ہیں ؟

پنڈی کا موسم کیسا ہے ؟

اپنا خیال رکھنا'

اچھا پھر کل بات ہوگی' خدا حافظ کہہ کر

رسیور رکھ دے گا

(نذر امام مظلومِ کربلا)

حسینؑ تیری طرح کوئی باکمال نہیں
خدا کی مثل تری کوئی بھی مثال نہیں

اِک ایک کر کے سبھی کربلا میں مارے گئے
مگر کسی کو بھی مرنے کا کچھ ملال نہیں

وہ مصطفیٰؐ کی نواسی' وہ شام کا بازار
کسی کو اُس کی ردا کا مگر خیال نہیں

کہا یہ غازیؑ کے لاشے نے ہو گیا پابند
چلائے تیر تو حُرمل تری مجال نہیں

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

وہ دشت کرب و بلا کا وہ العطش کی صدا
کسی کو بھی علی اصغرؑ، ترا خیال نہیں

اگر تُو چاہے تو شرق و غرب میں کچھ نہ بچے
علیؑ سے کم تو اے زینبؑ، ترا جلال نہیں

ستم گر

زہر میں ڈُوبی نوکوں والے،
تیر چلائے سارے اُس نے تاریکی میں
لیکن اُس کو خُوب خبر تھی
گھور اندھیری سب راہوں میں،
میں نے آنکھیں رکھ چھوڑی ہیں

اور ہم دونوں ہار گئے ہیں

اس نے پوچھا ربطِ بہم کی کوئی صورت
میں نے کہا، تم فون بھی کر سکتے ہو مجھ کو
لکھنا چاہو تو خط لکھ لو
وقت اگر مل جائے تو، مل لینا آکر
بولا، چھٹی لینا بھی ہے،
جوئے شیر کو لانے جیسا
لاکھوں اور بکھیڑے ہر پل، جان سے لپٹے
سوچ رہا ہوں، پنڈی میں ہی آن بسوں میں
یوں ہر روز ملوں گا تم سے

لیکن "نوکری" اک مسئلہ ہے
دیکھا تم نے
جیت گئے آخر جیون کے گورکھ دھندے،
اور ہم دونوں ہار گئے ہیں

اُسے روکتے بھی تو کس لیے؟

وہ جو شہرِ دل تھا اُجڑ گیا
وہ جو خواب تھا وہ بکھر گیا
کبھی موسموں کی نظر لگی
کبھی واہموں نے ڈرا دیا
کبھی منزلوں کے سراب نے،
ہمیں راستے میں دغا دیا
کبھی زندگی کی کتاب سے، ہمیں جس نے چاہا مٹا دیا
بس اسی لیے،
وہ جو جا رہا تھا تو دُور تک،
اُسے دیکھتے ہی رہے مگر،
نہیں دی صدا ——
اُسے روکتے بھی تو کس لئے؟

تُمھیں واپس بھی جانا ہے

کبھی تُم نے یہ سوچا ہے؟
کسی کی سوچتی، سادہ سی آنکھوں میں،
اُداسی کی خفی تحریر تُم نے سب مٹا ڈالی
دھنک سپنوں کا پھر سے جال سا اک بُن دیا ان میں
مگر جاناں!
ذرا سوچو،
اگر اس بار بھی سپنے کسی نے توڑ ڈالے تو،
وہ ان کی کرچیاں ساری کی ساری،
اپنی پلکوں میں چُھپا لے گی
اگر اس زندگی کے بھیس میں پھر مرگ نکلی تو،

گلے اس کو لگا لے گی
تم ایسا کیوں نہیں کرتے
ابھی سے اس کو بتلا دو
تمہیں واپس بھی جانا ہے

○

ہم پہ الزام جو دھر جاتا ہے
اُس کا احسان ہے، کر جاتا ہے

آپ تو بات فقط کرتے ہیں
تیر سا دل میں اُتر جاتا ہے

چاندنی ساتھ ہی چلتی ہے سدا
جس اُفق پر بھی قمر جاتا ہے

چھید سا کر کے نیا سینے میں
حادثہ آ کے گزر جاتا ہے

دُھوپ تقسیم جو کرتا ہے بتولؔ
آپ تاریکی میں مَر جاتا ہے

جواب

وہ سرِ راہ ملا کل تو ذرا، رُک رُک کے
مجھ سے پوچھا کہ سُنو میں نے جو بھیجا تھا گلاب
تم نے بتلایا نہیں اس کی مہک کیسی تھی؟
صبح کے روپ میں سمٹی یا شبِ غم جیسی؟
کسی سناٹے کی صُورت تھی یا سرگم جیسی؟
مِری خاموش نگاہوں میں نہ جانے کیا تھا
چل دیا مجھ سے بنا پوچھے کوئی اور سوال

میرا پیار حرفِ غلط نہیں

اِسے لوحِ دل پہ لکھا تو ہے
بڑی شان سے —— بڑے مان سے
تو یہ سوچ گہری سی کس لیے ——؟
یہ جو سوچ ہوتی ہے جانِ جاں!
یہ عدو ہے دل کے سوال کی
یہ کڑی ہے اصل زوال کی
ہوں کہن وفاؤں کے نقشِ پا،
یہ مٹائے دیتی ہے بر ملا
چلو، اس طرح سے تو ٹھیک ہے
ہوں جفا کے جتنے بھی سلسلے یا خیال ہوں

ہوں جو بھُول جانے کے فیصلے یا ملال ہوں
نہیں حرج ان کو مٹا ہی دو ——
سنو بن پڑے تو یہ سوچنا'
میرا پیار حرفِ غلط نہیں

پھُولوں سے دامن کو بھرنے آئے ہو
آنچل میرا گھونگھٹ کرنے آئے ہو

تُم سے ربط بہت ہی گہرا لگتا ہے
خواب ہو پلکوں بیچ اُترنے آئے ہو

بانٹ کے چاہت اور وفائیں لوگوں میں
مجھ پر بس الزام ہی دھرنے آئے ہو

کٹ نہ جائے جیون آنے جانے میں
کہہ دو اب کی بار ٹھہرنے آئے ہو

پیار' وفا کے سارے وعدے بھُول گئے
لگتا ہے اس بار مُکرنے آئے ہو

ہو سکتا ہے

ہو سکتا ہے مجھ سے بچھڑ کر
وہ بھی کچھ کچھ پچھتاتا ہو
سنگ سنگ بیتا ہر اک لمحہ
اُس کو بھی تو یاد آتا ہو
لیکن بیچ خلیج انا کی
روک رہی ہو رستہ اس کا
لوگوں کی باتوں کا ڈر ہو
سہما سہما سوچ نگر ہو
ہو سکتا ہے ——
وہ بھی خط لکھتا ہو، لکھ کر پُرزے پُرزے کر دیتا ہو
نمبر ڈائل فون کا کر کے، چونگا جھٹ سے دھر دیتا ہو
ہو سکتا ہے ——

دیکھو مجھ سے پیار نہ کرنا

کسی بھی لمحے، کوئی بھی دھیان میں آ سکتا ہے
کسی کی باتیں، کسی کا چہرہ
کسی کا دھیما دھیما لہجہ
کوئی بھی اپنا یا بیگانہ
سوچ بنا، بس بے دھیانی میں،
نادانستہ ——
اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے، یکدم دل کو بھا سکتا ہے
ہوں کتنے مضبوط ارادے،
چاہت سے بچ کر چلنے کے
لاکھ یہ خواہش من میں جاگے،
دل کے در پر جو دستک دیں، ان ہاتھوں کو،

مایوسی کی دیمک چاٹے
پھر بھی ایسا ہو سکتا ہے
بھیڑ میں بیٹھے بیٹھے کوئی،
خود کو یکدم کھو سکتا ہے
لیکن جاناں!
پھولوں جیسے تم لگتے ہو
کانٹوں سے بیوپار نہ کرنا
دیکھو، مجھ سے پیار نہ کرنا

○

ہم کو برباد اُسی نے کیا جب جان لیا
پانیوں پر جو لکھا تھا اسے سچ مان لیا

ہم نے ڈھونڈا ہی نہیں درد کا درماں ہرگز
آ پڑی جب کوئی مُشکل اسے آسان لیا

بار ہا جو ہوا برباد عدُو کے ہاتھوں
ہم نے ہر بار وہی گوشۂ ویران لیا

جان آنکھوں میں سمٹ آئی خبر اُس کو نہ دی!
اُس کی پُرسش کا بھی ہم نے کہاں احسان لیا

بَن کے اَنجان ملے جس کو اُجالے میں بتولؔ
اُسی چندا کو اندھیرے میں بھی پہچان لیا

خُوشی بھی اک اُداسی ہے

سُنو یہ اک حقیقت ہے
تمہاری شاعری کے سارے حرفوں میں،
جگر کا خون جلتا ہے
سسکتے، بین کرتے اور سُلگتے سارے لفظوں سے،
تم اپنے شعر بُنتے ہو
تمہارے سارے شعروں میں،
اُداسی اپنی آنکھیں چھوڑ کر،
خود آئینہ خانوں میں جاکر سر پٹختی ہے
یونہی در در بھٹکتی ہے
خوشی کو بھی کبھی لکھو گلابوں کی کتابوں میں
خوشی بھی اک اُداسی ہے

(ایک دشمن کے نام)

نامُوسِ کشمیر

یہ مائیں، بہنیں، بیٹیاں اپنی ہی ہیں
گو آج ہیں یہ بے ردا
ان کی ردائیں چِھن گئیں،
اور لُٹ گئی ان کی حیا
یہ مائیں، بہنیں، بیٹیاں اپنی ہی ہیں
اُن میں اک ایسی ماں بھی ہے
بیٹوں سے خود کہتی ہے جو
اُٹھو پسر! جاگو ذرا
دیکھو وفا کا وقت ہے
یہ امتحاں گو سخت ہے
لیکن سُنو! اپنا وطن اپنا ہی ہے

ہر باغباں کے واسطے ' اپنا چمن اپنا ہی ہے
ان میں ہیں وہ بہنیں بھی جو '
بھائیوں کو خود میدان کو '
تیار کر کے یہ کہیں
ہم سب کی تم جاگیر ہو
لیکن وطن تو چھاؤں ہے
ناموس ہے یہ جاں بھی ہے
دھرتی ہماری ماں بھی ہے
اس پر نہ آنچ آئے کبھی
اے ویر ! تم جاؤ ابھی
دشمن کو اب موقع نہ دو
اس سے کہو
ہم ہی وطن کی شان ہیں
اپنا ' وطن ایمان ہے
دھرتی کے ہر ذرّے پہ اب
قربان اپنی جان ہے

یہ مائیں ' بہنیں ' بیٹیاں اپنی ہی ہیں
ہیں ان میں وہ بھی بیٹیاں
جو باپ کی تھیں لاڈلی
اب سب کی سب بے سائباں
لیکن ہے ان کی یہ دعا
اپنا وطن قائم رہے
قائم رہے اپنا جہاں
ہیں ان میں وہ بھی بیویاں
چھینے گئے جن کے سہاگ
لیکن جواں ہیں حوصلے
ہیں خُلد کی جانب رواں
یہ مائیں ' بہنیں ' بیٹیاں
یہ جان لو ——— یہ مان لو
یہ مائیں ' بہنیں ' بیٹیاں ' اسلام کی عظمت بھی ہیں
کشمیر کی ناموس ہیں
اور لُٹ رہی ہیں بے خطا

اک ظُلم کا طُوفان ہے
اور آسماں خاموش ہے
اک آسماں کی بات کیا'
سارا جہاں خاموش ہے
کافر نشے میں مست ہیں
مُسلم بھی کیا مدہوش ہیں؟
ہے آگ رقصاں ہر طرف
اور وادیاں خاموش ہیں
اللہ کے بندو سنو!
کس آس پر خاموش ہو؟
غیرت تمہاری مِٹ گئی
عزت تمہاری لُٹ گئی
بہنیں تمہاری جبر کے'
بوٹوں کے نیچے پس گئیں
دیکھو' تمہاری مائیں ہیں
بارُود کا حصہ بنیں

سوچو' تمہاری بہنیں ہیں
گھر گھر میں جو قصّہ بنیں
روکو خدارا پاؤں وہ
جو بڑھ رہے ہیں اس طرف
تم توڑ دو وہ ہاتھ جو'
چھینیں سروں سے چادریں
اب ظُلم حد سے بڑھ گیا
روکو اسے —— روکو اسے
اب ظلم حد سے بڑھ گیا روکو اسے

○

وصل کا گیت سناتے کیوں ہو
ہجر کا درد چھپاتے کیوں ہو

بعد میں نیند جو قتل کرو گے
پہلے خواب جگاتے کیوں ہو

کرتا ہو جو شور آنکھوں میں
نام وہ لب پر لاتے کیوں ہو

پہلے خود ہی دل دے بیٹھے
اب احسان جتاتے کیوں ہو

کہہ دو مجھ کو بھول گئے تم
کہنے سے گھبراتے کیوں ہو

دیس کو خود پردیس بنایا
بولو اب پچھتاتے کیوں ہو

پلٹ کے جو گھائل کر ڈالے
ایسا تیر چلاتے کیوں ہو

سپنا تو سپنا ہوتا ہے
آگ کو برف بتاتے کیوں ہو

وقار پاکستانی ویب سائٹ ڈاٹ کام

تم اُداس ہو

رات کو چاند، تاروں سے باتیں مت کیا کرو
پھُولوں کو دیکھ کر مت چونکا کرو
کوئی طبیعت کا پوچھے تو موسم کے بارے میں مت بتایا کرو
کاغذ پر آڑی ترچھی لکیریں مت کھینچا کرو
ورنہ ——
ورنہ لوگ کہیں گے، تم اُداس ہو

بازیگر

ڈھیروں حرف ملا کر اس نے،
لفظ بنائے
لفظوں سے جُملوں کا جادُو آن جگایا
ہر جُملہ کچھ یوں گویا تھا
آؤ دنیا کے سب دھندے،
آج سے چھوڑیں
اک دُوجے سے ناتہ جوڑیں
دل بس کانوں کی لہروں پر دھڑک رہا تھا
پھر لفظوں کے بازیگر نے،
"ہجر" کے سارے لفظ تراشے

مُجھ کو سونپے ——

اور پلٹ کر یہ نہ دیکھا

لفظوں کے گورکھ دھندے میں،

مُجھ کو جینا بھُول گیا ہے

○

ایسا لگا کہ درد کسی نے گھٹا دیا
پتھر جب اُس کی یاد کا دل سے ہٹا دیا

اس واسطے ہے اپنی اماوس سے دوستی
یہ چاند جب بھی نکلا ہمی کو دغا دیا

کچھ دیر پہلے خواب میں، تھے ساتھ ساتھ ہم
اس خوشگوار نیند سے کس نے جگا دیا،

ہوتے ہیں کچھ اُصول جُدائی کے بھی مگر
تُم نے تو ایک پل میں سبھی کچھ بُھلا دیا

جس کی صداقتوں پہ بہت مان تھا بتولؔ
اُس نے منافقت کو سلیقہ نیا دیا

آج تُمہاری سالگرہ ہے

جانتی ہو تم ـــــ ؟
برسوں پہلے، آج کے دن کیا بات ہوئی تھی
بول سہیلی ـــــ بوجھ پہیلی
سوچ میں پڑ گئی، چُپ کیوں کر گئی ؟
آؤ تُم کو میں بتلاؤں
برسوں پہلے آج کے دن اِک شوخ کرن نے،
اس دھرتی کو رونق بخشی اور مُسکائی
کیا تُم کو یہ بات پتہ ہے ؟
آج تُمہاری سالگرہ ہے

(کرن کی سالگرہ پر کہی گئی نظم)

محرّم کے چاند سے پُوچھنا

صبر کا دوسرا نام حسینؑ بھی ہے
بالکل اسی طرح،
جس طرح عصمت و حیا کا پہلا نام زینبؑ ہے
کربلا کو پیاس بھی کہتے ہیں
اور وفا کو عباسؑ بھی،
کبھی محرّم کا چاند دیکھو تو اس سے یہ سوال ضرور کرنا،
کیا تم نے کربلا کے لق و دق صحرا میں،
مظلوموں کے گِنے چُنے خیمے دیکھے تھے ؟
قومِ اشقیاء کا ان کے ساتھ سلوک تم نے تو دیکھا ہو گا ؟
کیا تم نے فرات کو نادم نادم سا پایا تھا ؟
محرّم کا چاند دیکھو تو اس سے یہ ضرور پوچھنا

وہ جو سادات کا لُٹا پٹا قافلہ شام گیا تھا، اس کا کیا بنا؟

اور ہاں محرّم کے چاند سے یہ ضرور پوچھنا،

کہ قیدیوں کی قید ایک نہ ایک روز ختم ہو جاتی ہے

لیکن —— شام کے تاریک زنداں کی ایک تنگ سی کوٹھری میں،

قیدِ تنہائی کی سزا پانے والی،

چار سالہ بچی،

چودہ صدیوں سے اپنی رہائی کی منتظر ہے

امامِ زمانہ کی راہ تک رہی ہے

کیا کبھی اسے رہائی ملے گی؟

○

آس ٹوٹی ہوئی سی لگتی ہے
بے کلی بے کلی سی لگتی ہے

جُھک گئیں دیکھ کر اُسے پلکیں
بندگی بندگی سی لگتی ہے

آج دل کی لگی بھی سچ مانو
دل لگی دل لگی سی لگتی ہے!

چاندنی رات کا فسُوں دیکھو
بے خودی بے خودی سی لگتی ہے

وہ ملا ہے تو کائناتِ کہُن
کچھ نئی سی نئی سی لگتی ہے

اپنی ہستی ہے پھُول سی شاید
عارضی عارضی سی لگتی ہے

زندگی آج بعد مُدّت کے
زندگی زندگی سی لگتی ہے

تیری آنکھوں کی تیرگی میں نہاں
روشنی روشنی سی لگتی ہے

گفتگو آج میرے اپنے کی
اجنبی اجنبی سی لگتی ہے

گہرے ساگر کی موج سے لپٹی
تِشنگی تِشنگی سی لگتی ہے

اپنے دامن میں کیا نہیں لیکن
اِک کمی سی، کمی سی لگتی ہے

مجھے اک بات کہنی ہے

جو تم ہوتے ہو مجھ سے دُور،
اُداسی کی سیہ چادر
نہ جانے کس طرح، کیونکر
میرے سر پر
کہیں سے آن گرتی ہے

تانگہ بان

ٹک ٹک ٹک گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازیں
جاگ رہی ہیں، بھاگ رہی ہیں
گھوڑے اور تانگے کے میل سے کھیل بنا ہے
اور تماشا دیکھنے والی سینکڑوں آنکھیں، چاروں جانب
گھوڑا اکثر تھک جاتا ہے، رُک جاتا ہے
اور اک چابک ہاتھ میں پکڑے،
بیٹھے بیٹھے وہ بھی بیدم ہو جاتا ہے
وہ بھی تو مجبور ہے لیکن
چُولھا گھر کا جلنا لازم
دن اور شام کا ڈھلنا لازم
اک دو روز کے بعد تو ہانڈی بھی پکنی ہے

پیٹ بھی تو پاپی ہے ظالم
روزانہ ہی روٹی مانگے
دارُو اور دوائی لازم
صابن اور دُھلائی لازم
دانہ گھوڑے کا لانا ہے
بچہ مکتب بھی جانا ہے
گھر والی، بچوں کے بھی تو
کپڑے لیرو لیر ہوئے ہیں
سردی بھی بڑھتی جاتی ہے
برکھا رُت آنے والی ہے
ڈر لگتا ہے کچا کوٹھا ڈھے نہ جائے
چھوٹا سا گھر بہہ نہ جائے

○

رُخ ہواؤں کا بدلتا ہی گیا
پیار جب دل میں اُترتا ہی گیا

جب صبا نے کیا اظہارِ وفا
پھُول چُپ چاپ بکھرتا ہی گیا

آگ بُجھنے لگی جب سینے کی
تو دُھواں آنکھ میں بھرتا ہی گیا

آپ نے صرف مسیحائی کی
درد کیوں حد سے گزُرتا ہی گیا

جس نے بھی مانگا محبت کا صلہ
دل کو ہاتھوں سے وہ ملتا ہی گیا

کوئی طوفان تو آیا ہی نہیں
شہرِ جاں پھر بھی اُجڑتا ہی گیا

جس نے بھی عشق کی راہوں کو چُنا
دشت آباد وہ کرتا ہی گیا

وہ اک لڑکی

وہ اک لڑکی کھوئی کھوئی
کچھ جاگی کچھ سوئی سوئی
اس کے بھیگے بھیگے نیناں
دُور افق میں،
کسی کو کھوجیں
کس کی خاطر اکثر رو دیں
وہ اک لڑکی ——
نیند کی میٹھی گود میں دنیا
دھیرے دھیرے جب سو جائے
خواب نگر میں گم ہو جائے
تب وہ اک دیوانی لڑکی،

نہر کنارے آ بیٹھے ہے
کچھ سوچے ہے
نہر کی موجوں سے وہ اکثر،
چپکے چپکے سے یہ پوچھے
کب آئے گا وہ پردیسی ؟
اپنا وعدہ پورا کرنے ——
کچھ تو بتاؤ،
برسوں یوں ہی گزرے لیکن،
لوٹ کے پردیسی نہ آیا
اب وہ لڑکی تھک سی گئی تھی
رات سمے وہ نہر کنارے، آج بھی آئی
لیکن آج وہ ان لہروں میں،
جیون بازی ہار گئی ہے

○

کیسے وہ لوٹ آئے کہ فرصت اُسے نہیں
دُنیا سمجھ رہی ہے محبت اُسے نہیں

لگتا ہے آ چکی ہے کمی اُس کی چاہ میں
کافی دنوں سے مجھ سے شکایت اُسے نہیں

دل کی زمین اُس کی ہے بنجر اِسی لیے !
جذبوں کی بارشوں کی جو عادت اُسے نہیں

ہر چیز اختیار میں رکھتا ہے وہ مگر
دل سے رہائی پانے پہ قُدرت اُسے نہیں

اُس پہ زمانہ رنگ جماتا بھی کس طرح
حیرت کدے میں رہ کے بھی حیرت اُسے نہیں

صحرا کے ہر ورق پہ ہے تحریر اُس کا نام
کل تک جو کہہ رہا تھا کہ وحشت اُسے نہیں

چاند نے بادل اُوڑھ لیا تھا

اِک شب تاروں کے جھُرمٹ سے،
چاند اُتر کر چھت پر آیا
ہولے سے پھر مجھُ سے بولا
حیراں حیراں سی آنکھوں سے،
آؤ مجھُ کو بڑھ کر چھُو لو
میں گھبرائی —— کچھ شرمائی
اور یُوں بولی
ایسا کیونکر ہو سکتا ہے ؟
اُس کا جب اصرار بڑھا تو،
میں نے چاہا،
آگے بڑھ کر اُس کو چھُو لوں
لیکن تب تک،
چاند نے بادل اوڑھ لیا تھا

○

کبھی دھرتی پہ ستاروں کا گمُاں ہوتا ہے
کبھی آکاش پہ خاروں کا گمُاں ہوتا ہے

تری آنکھیں کبھی ساگر کی طرح لگتی ہیں
اور کبھی ان پہ کناروں کا گمُاں ہوتا ہے

ایک چنگاری سُلگتی ہے کبھی سینے میں !
کبھی سانسوں پہ شراروں کا گمُاں ہوتا ہے

تو اگر بھُول کے کوُچے میں مرے آجائے
تو خزاؤں پہ بہاروں کا گمُاں ہوتا ہے

دیکھو اب انکار.....

ہولے ہولے کوئی جھونکا
گُل کا سارا رنگ چُرائے
خوشبو مٹھی بیچ سمائے
ہونٹوں پہ مُسکان سجائے
چندا کے اس تھال میں لاکھوں تارے بھر کر
آ کے تیرے دل کے در پر
یکدم دستک دے سکتا ہے
سوچوں میں بیکار نہ پڑنا
دیکھو اب انکار نہ کرنا

یہ اکھیاں جھُوٹی سکھیاں ہیں

یہ خواب ہمیں دکھلاتی ہیں
ان خوابوں میں بس جھُوٹے رنگ،
اور جھوٹے کھیل کھلونے ہیں
کچھ جھوٹے تانے بانے ہیں
سب منظر آنے جانے ہیں
یہ اکھیاں جھُوٹی سکھیاں ہیں
یہ سُرخ چناروں میں اکثر،
پت جھڑ کی چادر کو اوڑھے
کچھ ایسے آگ لگاتی ہیں
تاحدِ نظر،
خاروں کی تیکھی تیکھی سی،

بس پگڈنڈیاں رہ جاتی ہیں
مت ان کی باتوں میں آنا
مت ان کو خاطر میں لانا
یہ اکھیاں جھوٹی سکھیاں ہیں

○

دل کا چُپ چاپ نگر کیسا تھا
اِس میں سایوں کا سفر کیسا تھا

ہر کوئی بن کے فلک اس کو ملا
جانے دھرتی میں اثر کیسا تھا

کل جو سایہ تھا وہی راکھ ہے آج
کچے آنگن کا شجر کیسا تھا

آرزو مِٹ گئی رفتہ رفتہ
درد باقی ہے، اَمر کیسا تھا

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

ہوا تنہائی کا صحرا مقسوم
یہ وفاؤں کا ثمر کیسا تھا

کٹ گئی عُمر مگر طے نہ ہوا
وہ پُر اَسرار سفر کیسا تھا

کر کے برباد یہ پُوچھا اُس نے
تیرے خوابوں کا نگر کیسا تھا؟

ادراک

کتابِ دل کے ورق ورق کو،
پلٹ پلٹ کے جو دیکھا ہم نے
تو جابجا ایک نام پایا
لہو سے لکھا ہوا تھا لیکن،
مٹا مٹا سا ——
نہ جانے کس نے لکھا تھا اس کو،
نہ جانے کس نے اسے مٹایا
کتاب دل کے ورق ورق کو جو دیکھا ہم نے،
تو یہ کھلا کہ ——
اُداسیوں کا گھنا تھا جنگل

لگائے بیٹھی تھی گھات، جس کے شجر شجر کے تمام پتوں میں،
موت کب سے
کوئی بھی بھٹکا ہوا مسافر،
محبتوں کا پیام پلکوں کے بیچ رکھ کر،
وہاں پہ آتا
تو ہولے ہولے سے سارے پتے،
بہت سی انجان سی زباں میں
یُوں گویا ہوتے
نئے ارادے سے پھر پُرانا وہ کھیل کھیلیں،
اسے مٹائیں ——
کتابِ دل کے ورق ورق کو پلٹ پلٹ کے جو دیکھا ہم نے،
تو چونک اٹھے
کئی جنم سے جو ان کے ہاتھوں سے لُٹ رہا تھا
ہمارا دل تھا تُمہاری یادوں کا سلسلہ تھا

○

پھر سے پیار کا دھوکا کھایا جا سکتا تھا
دل کا کیا ہے دل بہلایا جا سکتا تھا

کیوں واپس نہ آیا جا کر وہ جانے
لیکن اُس کے پاس تو جایا جا سکتا تھا

گر نہ ہوتا موم کی صُورت دل اپنا
غم کے سُورج سے ٹکرایا جا سکتا تھا

ایک تُمہارا ساتھ اگر مِل جاتا تو
ساری دُنیا کو ٹھکرایا جا سکتا تھا

لوگوں نے مجرم ٹھہرایا، مان لیا
آخر کس کس کو سمجھایا جا سکتا تھا

لے ڈوبا جب آنکھوں کو طوفان بتول
کیسے دل کا شہر بچایا جا سکتا تھا

یہ طے ہوا تھا

یہ طے ہوا تھا کہ دونوں میں جو بدل جائے
تو اس کو سات جنم تک کبھی نہ پیار ملے
نصیب سات سمندر کی پیاس ہو اس کا
خزاں کا اوڑھ کے آنچل اسے بہار ملے
یہ طے ہوا تھا کہ دونوں میں جو بدل جائے
وہ پھول مانگے تو کانٹوں کا رہگذار ملے
ہو روشنی کی جو خواہش تو تیرگی پائے
قرار مانگے تو ہر سمت بیکلی پائے
بہت اجاڑ سا، ویران سا دیار ملے
یہ طے ہوا تھا کہ دونوں میں جو بدل جائے

مگر وہ عہد زمانے کی زرد دیمک نے،
کچھ اس طرح سے ہے چاٹا نشان تک نہ ملا
اسے بھی آ گیا جینے کا ایک ڈھنگ نیا
ہمیں بھی اس سے جو شکوے تھے بھُول بھال گئے
یہ طے ہوا تھا کہ دونوں میں جو بدل جائے
تو اس کو ——

○

لوگ کیوں بس کے اُجڑتے ہیں کبھی سوچا ہے
کِس لیے جاں سے گزرتے ہیں کبھی سوچا ہے

کیسے پلکوں کی لرزتی ہوئی منڈیروں پر !
سینکڑوں دیپ چمکتے ہیں کبھی سوچا ہے

گو بہاروں میں چمن ہوتے ہیں آباد مگر
پھُول پامالی سے ڈرتے ہیں کبھی سوچا ہے

رنگ چہرے کا بدل جاتا ہے پل بھر کے لیے
لوگ جب بات بدلتے ہیں کبھی سوچا ہے

جو نظر آتے ہیں آئینہ سی پوشاکوں میں
وہ بھی مٹی میں اُترتے ہیں کبھی سوچا ہے

نارسائی سے نہیں مرتا کوئی، مان لیا
دل میں آرے سے جو چلتے ہیں کبھی سوچا ہے

ایک تھی کہانی

آؤ تمہیں کہانی کی کہانی سناؤں
ایک تھی کہانی،
جو کانچ کی ٹوٹی چُوڑیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے بنی ہوئی تھی
کانچ کی ایسی چوڑیاں جن میں حنا کی مہک رچ بس گئی تھی
اس کہانی میں دو آنکھیں بھی تھیں جو صرف انتظار کرنا جانتی تھیں
ان آنکھوں نے نیند کے بارے میں صرف سُن رکھا تھا
ان آنکھوں میں ایک سپنا رہتا تھا
"مظہرالاسلام" کی کہانیوں کا براؤن اور کالا رنگ،
اس سپنے کو زرد کر چکا تھا
اس زرد رنگ میں اک ست رنگی موت مُسکرایا کرتی تھی
ایک کہانی تھی ——

اس کہانی میں ایک چھوٹی سی گڑیا جیا کرتی تھی
اس کے پاس کھیلنے کے لئے کھلونے تک نہیں تھے
اور سکول پہن کر جانے کے لئے جاگر بھی نہیں
اس کا یُونیفارم بہت پُرانا ہو چکا تھا
اس گڑیا کا باپ دراصل ایک ایماندار ' دیانت دار
اور غیرت مند کلرک تھا
اس کی ہمجولیاں اکثر اس کے لباس کا تمسخر اُڑایا کرتیں
اور ہاں اپنے کھلونے بھی اس سے چُھپالیا کرتیں
لیکن کبھی کبھار وہ گڑیا سب کی نظر بچاکر '
ان کے کھلونوں کو توڑ پھوڑ دیا کرتی تھی
اب تُم پُوچھو گے ' پھر کیا ہوا ؟
پھر کیا ہونا تھا
یہ تو صرف ایک کہانی تھی '
جو لفظوں کی بجائے کانچ کی ٹوٹی چوڑیوں سے بنی تھی

○

وہ بدگُماں ہے اُسے بدگُماں تو ہونا تھا
کسی کو اِس طرح نا مہرباں تو ہونا تھا

اُٹھا دیا مجھے در سے تو یہ بھی اچھا ہے
کسی مقام پہ یُوں بے اماں تو ہونا تھا

وہی ہوا ہے جو لکھا تھا ' خود کو دوش نہ دو
جگر کے خُون کو جاں کا زیاں تو ہونا تھا

نہیں نصیب کا چکر ' اٹل حقیقت ہے
ہماری آنکھ کو سیلِ رواں تو ہونا تھا

زمانہ چھوڑ کے تیری پناہ مانگی تھی
مِرا عدُو تُجھے اے آسماں ! تو ہونا تھا

اَنا پرستی میں دونوں ہی حد سے آگے تھے
یہ فاصلہ مری جاں ! درمیاں تو ہونا تھا

بتوَل کو جو گِلہ ہے تو صرف اتنا سا
رقیب کا ہی سہی رازداں تو ہونا تھا

مسافر

دُکھوں کی وہ بھاری سی گٹھڑی اُٹھائے،
چلی جا رہی تھی
کوئی اس کو تکتا اگر غور سے تو،
ٹھٹھک سی وہ جاتی
ہزاروں خیالات آتے کہ شاید،
تھکن میری اس نے بھی محسوس کی ہے
ہے ممکن وہ آکر مِرے درد بانٹے
میرے راستے کے سبھی خار چُن لے
مگر یوں نہ ہوتا ——
اسے غور سے دیکھنے والا اکثر
بڑی بے نیازی سے بڑھ جاتا آگے

پلٹ کے نہ تکتا
کسی نے ذرا سی بھی زحمت نہیں کی
ٹھہر کر یہ پوچھیں
ہمیں تم بتاؤ گی تنہا مسافر !
کہاں سے ہو آئی 'کہاں جا رہی ہو ؟
یہ رُک رُک کے رستے میں کیا سوچتی ہو ؟
بتاؤ گی کیا کھو دیا تم نے ایسا'
جسے سب کے چہروں پہ اب ڈھونڈتی ہو ؟

○

اب کسی سے جو سلسلہ رکھنا
آپ اپنے سے بھی چُھپا رکھنا

ہم کو عادت نہیں ہے دستک کی
باب دل کا سدا کھُلا رکھنا

جب کبھی آ پڑے نئی مُشکل
اپنی نظروں میں کربلا رکھنا

ہر کوئی گم ہے اپنی ہستی میں
مت کسی سے بھی واسطہ رکھنا

کوئی آنکھوں میں جب اُترنے لگے
درمیاں ایک فاصلہ رکھنا !

عارضی دُکھ ہوں، دائمی خوشیاں
یہ مقدر میں مُعجزہ رکھنا !

مُہر چُپ کی لگائے رکھنا مگر
بیچ پلکوں کے اِک گِلہ رکھنا

پھر کیا ہوا ——— ؟

پھر یوں ہوا کہ کہانی سُنانے والا،
خود ہی تھک ہار کر سو گیا
لیکن، کیوں ؟
اس طرح تو کہانی ادھوری رہ گئی ہو گی
اور ادھوری بات ہو یا کہانی،
سُننے والے کو پریشانی میں مبتلا کر دیتی ہے
ہاں، ایسا ہوتا ہے لیکن اس بار ایسا بھی نہیں ہوا
مگر، کیسے ؟
میں نے تمہیں یہ تو بتایا ہی نہیں،
کہ کہانی سنانے والے کے سامنے کوئی سامع نہیں تھا
وہ تو اپنے آپ کو کہانی سنا رہا تھا

○

دُکھوں سے ربط گہرا تھا یہ ہم نے دیر سے جانا
خُوشی کا زرد چہرا تھا یہ ہم نے دیر سے جانا

زمانے سے بہت بچ کر تُمہیں ملنے جہاں پہنچے
وہاں قسمت کا پہرہ تھا یہ ہم نے دیر سے جانا

چُھپا سکتی تھی کب خُورشید کو شب اپنے دامن میں
کہ رنگ اِس کا سُنہرا تھا یہ ہم نے دیر سے جانا

○

لاکھ چاہیں ہم مقدّر کو بدل سکتے نہیں
اس میں لکھے فیصلے ایسے ہیں ٹل سکتے نہیں

اپنی اپنی مصلحت کے دائروں سے بارہا
ہم نکلنا چاہتے تو ہیں نکل سکتے نہیں

زندگی بھر ساتھ دینے کا وہ کر کے فیصلہ
آج دو اک گام اپنے ساتھ چل سکتے نہیں

دل سے اُٹھی ٹیس اُن کو بعد مدت دیکھ کر
کس قدر تھا مان جذبوں پر مچل سکتے نہیں

سوچ کر رکھنا قدم، آسیب کوئی ہے ضرور
اِس ڈگر پر جان و دل اکثر سنبھل سکتے نہیں

زندگی کے خواب کو دیکھے بنا چارہ نہیں
خواب اندر خواب میں آنکھیں تو مل سکتے نہیں

یاد

اُس سے باتیں کرتے کرتے چونک اُٹھی میں
ہم دونوں کے سامنے، بالکل سامنے شاخ پہ ایک پرندہ،
بیٹھا ہم کو دیکھ رہا تھا
میں بولی، دیکھو تو وہ معصوم پرندہ،
کیسے ہم کو دیکھ رہا ہے
کتنے پیارے رنگ برنگے پر ہیں اس کے
اُس نے دیکھا، اور یہ بولا
ہاں پیارا ہے
دیکھتے دیکھتے شاخ سے اُڑ کر آنکھ سے اوجھل ہو گیا پل میں،
وہ پیارا معصوم پرندہ

وہ بولا' دیکھا —— ؟ اُڑ کر تو اور بھی پیارا لگنے لگا ہے
اک لمحے کو ہم دونوں نے اک دُوجے کو غور سے دیکھا'
جُھک گئیں نظمیں ——
دونوں کے ذہنوں میں اس پل'
ایک سوال نے کروٹ بدلی

○

بہت مُشکل وفا کے سلسلے ہیں
سمجھ لو پھُول پتھر میں کِھلے ہیں

جبھی تو ٹیس اُٹھتی ہے اچانک
جگر کے گھاؤ شاید اَن سِلے ہیں

گو اس کے ہاتھ میں ہے ہاتھ میرا
مگر سوچوں میں اَنمٹ فاصلے ہیں

مِری پلکوں سے لے کر آسماں تک
ستاروں کے انوکھے سلسلے ہیں

مقدّر سے نہیں مجُھ کو شکایت !
خود اپنی ذات سے لاکھوں گِلے ہیں

بچھڑتے وقت اُس نے مجُھ سے پوچھا
کبھی آکاش اور دھرتی ملے ہیں ؟

پُکارا ہے کسی نے نام اُس کا !
تو کیسے تار اِس دل کے ہلے ہیں ؟

محبت ریت جیسی ہے

محبت ریت جیسی ہے، کسی بھی بند مُٹھی میں
مگر یہ بھی حقیقت ہے
اچانک ، بے خیالی میں
بنا سوچے، بنا سمجھے
یونہی بس بے ارادہ ہی،
یہ مُٹھی کھُل بھی جاتی ہے

○

وہ اُجاڑ سا تھا جو اِک نگر مجھے یاد ہے
تھا وہاں جو کچا سا ایک گھر مجھے یاد ہے

بنا راکھ تن تو یہ رُوح میری جُھلس گئی
تِری بارشوں کا تھا یہ اثر مجھے یاد ہے

مجُھے پھُول دے کے وہ ساتھ خوشبوئیں لے گیا
یہ ریاضتوں کا مِلا ثمر، مجھے یاد ہے

مِری زندگی کو طویل شب نے نگل لیا
نہ نجُوم تھے نہ کوئی قمر مجھے یاد ہے

سُوئے کُوئے یار قدم بڑھاؤں میں کس طرح
اِنہی راستوں میں ملا تھا ڈر مجھے یاد ہے

لٹا کس کے ہاتھوں سے کس طرح یہ خبر نہیں
تھا بدن کے سیپ میں دل گُہر مجھے یاد ہے

وہ تِرا گلُاب کو چُوم کر مجھے دیکھنا
نہیں یاد تجُھ کو رہا مگر مجھے یاد ہے

کرائے کے لئے خالی ہے

دل کے مکان کے باہر "کرائے پر خالی ہے" کی تختی نہیں لگتی
اس مکان کے "حقوقِ ملکیت" بھی ہر کسی کو نہیں مِلتے
اور اگر کسی کو یہ حقوق حاصل ہو جائیں،
تو پھر وہ اس میں تاحشر مقیّد ہو کر رہ جاتا ہے
لیکن، اس کے دل کے مکان کے باہر،
میں نے خود ایک تختی دیکھی
جس پر تحریر تھا
"کرائے پر خالی ہے"

○

آئی تھی اِک صدا سی مگر یاد اب نہیں
اوروں سے تھی جُدا سی مگر یاد اب نہیں

تحریر اُس کے چہرے پہ اِک اجنبی سی تھی
آنکھیں تھیں آشناسی مگر یاد اب نہیں

ترکِ تعلقات کا جو بن گئی سبب
وہ بات تھی ذرا سی مگر یاد اب نہیں

کچھ یاد آ رہا ہے کہ آغازِ ہجر میں
چھائی تو تھی اُداسی مگر یاد اب نہیں

آنکھوں کی خشک جھیل میں اُترے تو یہ کھُلا
تھی رُوح کتنی پیاسی مگر یاد اب نہیں

بے کارواں سفر تھا تو بے آب دشت تھا
تھی دُھوپ کی ردا سی مگر یاد اب نہیں

کچھ اُس کو دیر ہو گئی آنے میں اور کچھ
تھی عُمر بے وفا سی مگر یاد اب نہیں

تاخیر

لوگ بہت بھولے ہیں جاناں !
آج مجھے بتلانے آئے
دیکھو چاروں جانب پھر سے'
پھُول اور کلیاں کھل اٹھے ہیں
تم ہی سوچو'
میں ان کو کیسے سمجھاؤں
موسمِ گُل کے اب آنے سے حاصل کیا' جب
پت جھڑ آنکھوں میں آ ٹھہرا

○

زندگی کے ساز کا ٹُوٹا ہوا ہر تار ہے
کوئی نغمہ اِس میں اُبھرے سوچنا بے کار ہے

مَصلحَتؔ کی کوئی بھی زنجیر پیروں میں نہیں
ایسا کیوں لگتا ہے جیسے دل پسِ دیوار ہے

جب حکُومت کہہ رہی ہے امن ہے چاروں طرف
خُون میں ڈُوبا ہوا کیوں آج کا اخبار ہے

سانس کی گردش ہے سینے میں مقیّد اِس طرح
جس طرح پِنجرے میں پنچھی قید ہے لاچار ہے

یُوں خُوشی کے نام سے دل کانپ اُٹھتا ہے بتوؔل
زندگی کا رقص جیسے موت کی جھنکار ہے

نشاں وہ مٹ گیا لیکن

گھنا جنگل ہے چاروں سمت
اور کچی سی پگڈنڈی
کسی کے نقشِ پا اس پر،
ابھی تک ثبت ہیں شاید
جبھی تو اس جگہ جاکر
کسی نے اپنے ہونٹوں سے،
چھُوا ہے ان کو چُپکے سے
نشاں وہ مٹ گیا لیکن،
کسی کی بھیگی پلکوں سے گِری شبنم،
اُسی جا روشنی بن کر چمکتی ہے

○

حاصلِ دید کی ضرورت ہے
نئی اُمید کی ضرورت ہے

پیار کرنا فقط نہیں کافی
اِس میں تجدید کی ضرورت ہے

تشنگی اور بڑھ گئی خط سے
آ تِری دید کی ضرورت ہے

کون اِک سال راستہ دیکھے
روز اب عید کی ضرورت ہے

مرکز

آنکھیں تو بس رہداری ہیں
اُٹھتا ہے جب دل میں طوفاں،
کھارا پانی رہداری سے،
قطروں کی مالا کی صُورت،
پلکوں سے گرنے لگتا ہے
تھم جانا اس کا مُشکل ہے
اشکوں کا مرکز تو دل ہے

○

مقدّر سے کہو پھر سے ستم ایجاد مت کرنا
کوئی آباد ہے دل میں، اِسے برباد مت کرنا

وہ اِک شب خواب سا بن کر اُتر آئے گا آنکھوں میں
یہ پلکیں موند لینا اور اُس کو یاد مت کرنا

ہنسی میں ہی اڑا دے گا زمانہ دل کی باتوں کو
کسی کے سامنے بھی پیش تم رُوداد مت کرنا

رہا ہو کر گہر پلکوں سے مِل جاتے ہیں مٹی میں
مجھے قیدِ محبت سے کبھی آزاد مت کرنا

اسی موسم میں دل کے قافلے لُٹتے ہوئے دیکھے
اِن آنکھوں میں گلابوں کو کبھی آباد مت کرنا

فاصلے بڑھا کر تُم

فاصلے بڑھا کر تم،
اب اُداس ہوتے ہو؟
اب تو جس طرف دیکھو
زندگی کے ماتھے پر، موت کا پسینہ ہے
زرد رُت ہی آتی ہے اب تو ہر مہینے میں
آرزُو گلابوں کی گھُٹ گئی ہے سینے میں
بارشوں کی بُوندوں سے آگ سی برستی ہے
نرم نرم ٹھنڈک کو یہ زمیں ترستی ہے
مرگ کے پروں میں گُم،
سہمی سہمی ہستی ہے
آج کس لئے میرے غم شناس ہوتے ہو
فاصلے بڑھا کر تُم اب اُداس ہوتے ہو؟

○

چاند سا چہرہ ہو تو بولو کیا ہوتا ہے
رنگ سنہرا ہو تو بولو کیا ہوتا ہے

بیچ بھنور کے تنہا چھوڑ کے پُوچھتے ہو
ساگر گہرا ہو تو بولو کیا ہوتا ہے

پھول کِھلے ہوں چاروں جانب اور من میں
پَت جھڑ ٹھہرا ہو تو بولو کیا ہوتا ہے

بھنورے جیسی باتیں کرتی آنکھوں پر
پیار کا پہرہ ہو تو بولو کیا ہوتا ہے

اندر ڈھیروں پیاس دہکتا اِک خورشید
آنکھ میں ٹھہرا ہو تو بولو کیا ہوتا ہے

یُوں خوابوں میں کیوں آتے ہو ؟

کبھی مست صبا کی صُورت میں
کبھی بھنوروں جیسی پیاس لیے
کبھی جوگی کا بن باس لیے
کبھی پھولوں کا احساس لیے
کبھی کومل کومل آس لیے
کبھی چاند کا تم ہالہ بن کر
کبھی تاروں کی مالا بن کر
کبھی دھانی دو شالہ بن کر
یُوں خوابوں میں کیوں آتے ہو ؟

○

یُوں وفاؤں کے مفاہیم میں ترمیم نہ کر
دل کے سودے میں کبھی جبر کو تسلیم نہ کر

پستیوں میں کوئی گر جائے تو چھُو لے کوئی چاند
عام اس طرز کی اب شہر میں تعلیم نہ کر

کبھی واعظ کبھی سُلطان کبھی رسم و رواج
ہو کسی روپ میں بھی ظُلم کی تعظیم نہ کر

وقت کے ساتھ بدل جانے کی باتیں کر کے
اس قدر پیار کی ارزاں کبھی تکریم نہ کر

دل میں اشکوں کے سمندر کو اُتر جانے دے!
یُوں عیاں پلکوں کی راہوں سے یہ اقلیم نہ کر

ابھی سے کیسے یہ تُم نے سوچا؟

سُنو اُداسی شجر شجر کے ہر ایک پتے پہ لکھ رہی ہے،
جُدائیوں کے پیام سارے
جو بُجھ رہے ہیں اُمید کے وہ چراغ سارے
جو نا اُمیدی کے جل اُٹھے ہیں،
وہ نام سارے ——
تمام پتے خزاں رسیدہ سسک رہے ہیں
فضاؤں میں بین جاگتے ہیں
نہ مٹنے والی تھکن سفر کی،
بہت ہی پُر خار راستے ہیں
ابھی ابھی تھا لہو رگوں میں،
ابھی ابھی صرف چنگاریاں ہیں

ابھی تو چہرہ گلاب ہوتا —— ابھی تو آنکھوں میں خواب ہوتا
ابھی تو اک ساتھ جینے مرنے کے عہد بھی ہیں پڑے ادھورے
ابھی تو مہندی ' گلاب گجروں کو وہ مہک بھی مِلی نہیں ہے
ابھی تو کھن کھن یہ چُوڑیوں کی بھی تم نے جاناں ! سُنی نہیں ہے
ابھی سے کیسے یہ تم نے سوچا ——— ؟
کتابِ ہستی سے اب جُدائی کا باب کھولیں

○

زندگی پیار کا اعجاز بھی ہے
یہ انوکھا سا کوئی ساز بھی ہے

پیار کرنے کا ہے انجام بھی ایک
ایک سا پیار کا آغاز بھی ہے

بے وجہ تو نہیں جُھکتیں نظریں
ڈُھونڈ لو اِن میں کوئی راز بھی ہے

کچھ طبیعت بھی ہے مائل تُجھ پر
کچھ جُدا سا تِرا انداز بھی ہے

بھکارن

بدن سے چیتھڑے لپٹے تھے جیسے ناگ سیاہ
اور اس پہ سرد ہواؤں کی تیز و تند نوکیں
یُوں لگ رہا تھا کہ نیزوں کی بارشیں یکدم
زمیں پہ اُتریں تو مرکوز ہو گئیں اس پر
اور اس پہ چاروں طرف سے اُٹھیں، لپٹتی ہوئی،
دہکتی اور جلاتی سی پُر ہوس آنکھیں
وہ آنکھیں جن میں اُگی تھیں زبانیں وحشت کی
تھکی تھکی سی وہ آہیں دبا کے سینے میں
بُجھا کے پیاس خود اپنے ہی گرم اشکوں سے
ہٹا کے سینے سے پلو ذرا سا پیچھے کو،

دریدہ کُرتے کو کچھ اور پھاڑ دینے کے بعد،
وہ ایک ایک درندے کے پاس جا جا کر،
فقط اٹھنّی یا روٹی کے خشک ٹُکڑوں کا،
سوال کرتے ہوئے بھی لرز سی جاتی ہے

○

وفا کی اِس کہانی کو تو یُوں ہی عام ہونا تھا
تُجھے انعام ملنا تھا، ہمیں بدنام ہونا تھا

بدن سُلگا تو اِس کے ساتھ چھالے پھٹ گئے دل کے
چلو بارش کی اِن بُوندوں سے یہ بھی کام ہونا تھا

جنوں نے آگ بھر دی ہے رگِ جاں میں تو اچھا ہے
نہیں تو دل لگی کا اپنے سر الزام ہونا تھا

ہمیں مرنے کی جلدی تھی، منایا ہاتھ سے اپنے
وگرنہ لوحِ ہستی پر ہمارا نام ہونا تھا !

ازل سے عشق شامل ہے نصابِ آدمیّت میں
کسی کو صبح ہونا تھا، کسی کو شام ہونا تھا

لکھے تھے برف پر اُس نے سبھی وعدے وفاؤں کے
تو اِس آغاز کا سوچو کہ کیا انجام ہونا تھا

یہ سوچ لینا

بہت سے ان دیکھے راستوں پر
ہُوا ہے اکثر،
کہ چونک اُٹھے، ٹھٹھک گئے ہم
پلٹ کے دیکھا،
تو تھیں تعاقب میں کچھ صدائیں
فقط صدائیں،
جو کہہ رہی تھیں
یہی تو تم سے کہا گیا تھا
وفا کی راہوں میں، منزلوں کا کہیں بھی سایہ تلک نہیں ہے
بہت تھکو گے، بہت تھکو گے
یہ سوچ لینا

○

دل کا سُونا شہر بسانا اچھا تھا
کہنہ رسموں سے ٹکرانا اچھا تھا

ہر اک بات میں اُس کا مَن مرضی کرنا
مجھ کو وعدوں سے بہلانا اچھا تھا

دُودھ اُبلتا چُولہے پر گِرتے رہنا
جاگتی آنکھوں سے سو جانا اچھا تھا

اُس کو شوق بسنت کا، میرا چُپکے سے
چھت پر جا کر ہاتھ ہلانا اچھا تھا

مجھ سے روٹھ کے ہنس ہنس ملنا لوگوں سے
پیار کا وہ انداز پُرانا اچھا تھا

توڑ کے لانا بٹن قمیض کا میرے پاس
ملنے کا تھا ایک بہانہ اچھا تھا

سردی کی پہلی بارش میں دل کی بات
آنکھوں آنکھوں میں بتلانا اچھا تھا

ہونا ہی تھا چاہت کا اِقرار بتولؔ
اُس کا گھر میں آنا جانا اچھا تھا

سوچو ساون کیوں روتا ہے؟

خوشبو، کلیاں، تارے، جُگنو
بارش، مٹی، کچا آنگن
دھانی چُنری، مہندی، گجرے
آتے جاتے سارے موسم
ہنستے کھیلتے اور مُسکاتے
لیکن ساون کیوں روتا ہے؟

Ⓣ

مرغزاروں کو ترا نام دیا کرتے تھے
ہم ستاروں سے تری بات کیا کرتے تھے

چاند راتوں میں کبھی بیٹھ کے چھت پر ہم بھی
چُپکے چُپکے سے تجھے یاد کیا کرتے تھے !

باتوں باتوں میں کہیں لوگ نہ پالیں تجھ کو
ہم ترا نام بھی ڈر ڈر کے لیا کرتے تھے

بے دھیانی میں سمندر کے کنارے جا کر
ترا پیغام ہواؤں کو دیا کرتے تھے

ریت پر لکھنے کا پہلے مجھے موسم لا دو

موتیے کے یہ حسیں گجرے، یہ کاجل یہ حنا
کانچ کی چُوڑیاں اور سُرخ گلابوں کا یہ تھال
ہری چُنری بھی ہے اچھی اور جوڑا بھی یہ لال
وہی چکّی کی ہے کُو کُو،
وہی پنگھٹ پہ ہجوم
وہی گاؤں وہی گاؤں کی پُرانی رسمیں
ہیں نئے چہرے مگر غور کرو تو یہ لگے
وہی باتیں، وہی وعدے وہی جھوٹی قسمیں
یہ تو سب ٹھیک ہے لیکن میرے دیرینہ رفیق!
ریت پر لکھنے کا پہلے مجھے موسم لا دو

⑤

موم کو دُھوپ میں ہر طور پگھلنا ہو گا
رات ڈھل جائے گی خوابوں کو بچھڑنا ہو گا

گُل کا انجام بھی دیکھ، اِس کی صباحت پہ نہ جا
اِس کو تو عہدِ جوانی میں بکھرنا ہو گا

چاند تاروں کی یہ ٹھنڈک ہے فقط آج تلک
کل کڑی دُھوپ کو آنگن میں اُترنا ہو گا

یہ بھی مُمکن ہے تعاقب میں صدا آنی ہو
جانے والے کو ذرا دیر ٹھہرنا ہو گا

بیچ منجدھار کے یُوں حوصلہ ہارا نہ کرو
عشق ساگر ہے اسے پار تو کرنا ہو گا

اُسے جانے کی جلدی تھی

اُسے ہر بات میں تاخیر کا اندیشہ رہتا تھا
جبھی تو وقت سے پہلے وہ سارے کام کر دیتا
مگر کمرہ سدا ترتیب سے عاری وہ رکھتا تھا
کتابوں کی جگہ موزے،
قلم، اخبار، بستر پر
میں اس کی ساری چیزوں کو نفاست سے سجاتی تھی
وہ پھر ویسا ہی کر دیتا
اُسے تو بات کرنے کی بھی فرصت کم ہی ملتی تھی
کسی بابت بھی اُس سے پوچھنا ہو تو یہی کہتا
مجھے اس وقت جلدی ہے
میں کل تم کو بتاؤں گا

مگر وہ کل نہیں آتا ——— کبھی وہ پل نہیں آتا

زمانے بھر میں تنہا چھوڑ کر وہ جا رہا تھا جب

تو جی چاہا'

میں اُس کے پاس جا کر یہ کہوں اُس کو'

سُنو' جاناں!

ذرا سی بات ہے جو تم سے کہنی ہے

مجھے تم سے محبت ہے

مگر اس بار بھی وہ بات میری سُن نہیں پایا

نہ میں کچھ کہہ سکی اُس کو'

اُسے جانے کی جلدی تھی

○

ڈولتی کشتی کا جو پتوار ہے

نِت نئے طُوفان سے دو چار ہے

نیند آنکھوں میں اُترتی ہی نہیں

چاندنی راتوں میں کیا اسرار ہے

ذائقہ اِس کا بھی چکھ لیجئے حضور!

عشق کا مقسوم مانا دار ہے

ہے کلی کو ہی فقط اِس کی خبر

پھُول بننا کِس قدر دشوار ہے

جا چکا جو شب اُترتے ہی بتوؔل

مت صدائیں دو اُسے بیکار ہے

①

آنکھوں میں بے کنار سمندر اُتر گئے
تشنہ لبی میں ہم بھی مگر بام پر گئے !

تھی جاں بہت عزیز مگر درد، درد تھا
حد سے بڑھا جو درد تو جاں سے گزر گئے

تقدیر کا یہ حُسنِ توازن بھی خُوب ہے
بگڑے نصیب اپنے کسی کے سنْور گئے

آنکھوں کو بھُول آئے تھے چوکھٹ پہ آپ کی
پھر ہم بصارتوں کے بنا ہر ڈگر گئے

ٹاس

دونوں کی تھی ایک سی خواہش
کھیل کا وہ آغاز کرے
پہلے باری اس کی آئے
لڑکے نے کچھ سوچا اور تجویز یہ رکھی
سکّے سے میں ٹاس کروں گا
ہاں یہ ٹھیک ہے، لڑکی بولی
لڑکا ہی پھر ٹاس بھی جیتا
لڑکی، اپنی باری کی راہ تکتے تکتے،
ہوگئی بالکل برگد جیسی، تھکی تھکی سی
بھید یہ اس کو کون بتاتا
"ٹاس" وہ لڑکا جنم جنم سے جیت رہا تھا

○

تمام عُمر رہا ہم سے بے خبر کیونکر
یہ بے نیازی کا آیا اسے ہُنر کیونکر

جو ہوتا ریت گھروندہ گرا بھی سکتے تھے
گراتے یاد سمندر کے بام و در کیونکر

کبھی ملو تو یہ پوچھوں، بُھلا دیا کیسے
وہ سُونا سُونا سا آنگن، وہ رہگذر کیونکر

اُفق سے جھانک کے چندا نے یہ کہا اِک شب
ستارے پلکوں پہ رکھتے ہو اِس قدر کیونکر

یہ رتجگوں کی سیہ بھیڑ آ کے پوچھتی ہے
جگا گیا تُجھے نیندوں سے خوابگر کیونکر

تُجھے ملے تو یہ ادراک بھی ہوا یکدم
طویل عُمر بھی لگتی ہے مختصر کیونکر

بتول ڈال دی دامن میں پھر خزاؤں نے؟
یہ زرد پتوں کی سوغات ڈھونڈ کر کیونکر

پیرسوہاوہ کا راستہ

خاصا دُشوار رستہ تھا
خاصا طویل بلکہ اچھا خاصا طویل لیکن خوشگوار،
بہت خُوش گوار اور بہت خُوب صُورت
دراصل اس روز پھر کسی نے کسی سے،
کوئی خوبصورت وعدہ کیا تھا
کسی نے کسی کو محبت کا فلسفہ سمجھایا تھا
اور کسی نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس فلسفۂ محبت کی گہرائی میں،
صرف اور صرف جذبۂ ہمدردی ہے، یقین کر لیا تھا
لیکن، اس میں شک نہیں
پیرسوہاوہ کا وہ راستہ،
بہت دُشوار، خُوش گوار اور خوبصورت تھا

○

اُس کی آہٹ نظر جُھکا جائے
دل میں ہلچل سی اِک مچا جائے

خود سے ہم بھی نہیں بُلائیں گے
اُس کو آنا ہے گر تو آ جائے

ساری باتیں چھُپی ہیں آنکھوں میں
جو بھی پانا ہے راز پا جائے

کھیلنا اُس کا مشغلہ ٹھہرا
دل لگی میں ہی دل لگا جائے

چاند بدلی سے اب نکل آیا
اُس سے کہنا کہ وہ بھی آ جائے

شرارت

اُس نے پوچھا
ہاتھ کی ریکھاؤں پر ہے وشواس تمہارا؟
میں نے کہا بس تھوڑا تھوڑا
وہ بولا'
دکھلانا تو تحریر ہے کیا ہاتھوں پہ تمہارے
میں نے کہا چھوڑو جانے دو'
کیا رکھا ہے ان باتوں میں
اُس نے جب اصرار کیا تو'
میں نے مُٹھی کھول دکھائی
اس نے ہاتھ کو تھاما' دیکھا اور یہ بولا
کر اس بہت ہیں زیادہ اس پر

پھر سے آنکھوں نے خواب دیکھا ہے
پھر کوئی حادثہ جگا جائے

گھر بنایا ہے پھر سے ساحل پر
لہر آئے اِسے مٹا جائے

اُس سے کہہ دو کہ ایک ساگر ہے
دل ہمارا' وہ آزما جائے

بعد مُدت کے گھر کو لوٹا ہے
اب میں کیسے کہوں چلا جائے

اُس کی قربت کا پوچھتے کیا ہو
آگ پانی میں وہ لگا جائے

اب کے ایسی چلے صبا کہ بتولؔ
بند دل کی کلی کِھلا جائے

ویسے قسمت بُری نہیں ہے
ہاتھ چُھڑا کر میں یہ بولی'
سچ کہتے ہو' یوں ہی ہو گا
تب وہ آہستہ سے بولا
سچ پوچھو تو' میں نے تو سب جھوٹ کہا ہے
قسمت کے اس علم سے میں بھی ناواقف ہوں
میں نے تو بس ہاتھ تمہارا چُھونا چاہا

○

الھڑ پن کے سپنے سارے اچھے تھے
جو پل اُس کے سنگ گزارے اچھے تھے

آنکھ مچولی کھیلا کرتے تھے شب بھر
دل کے محرم چاند ستارے اچھے تھے

ہو لیتے تھے پل دو پل کو ہم بھی خوش
ہر جائی کے جھوٹے لارے اچھے تھے

آپ کو اپنا جانا تو یہ بات کھلی
دُشمن تھے جو لوگ ہمارے اچھے تھے

عمر بتائی تنہائی کے ہالے میں
ہم سے تو پنچھی بنجارے اچھے تھے

آؤ بارش سے تو پوچھیں

کیا اس سے بھی وعدہ کر کے چھوڑ گیا ہے کوئی اس کو
کیا اس کو بھی نیند نہیں آتی برسوں سے،
کیا اس کو بھی پھُولوں سے شکوہ ہے کوئی،
اس کے ساتھ بھی کھیل ہواؤں نے کھیلا ہے،
دُھواں دُھواں سا اس کا چہرہ کیوں ہے آخر؟
بھیگی بھیگی اس کی پلکیں کس نے کر دیں؟
آؤ بارش سے یہ پوچھیں

○

اُس کو منانا چاہیے
یا رُوٹھ جانا چاہیے

پلکیں بہت بِھگو چُکے
اب مُسکرانا چاہیے

دل میں بہت چُھپا لیا
کچھ تو بتانا چاہیے

ترکِ تعلقات کو!
بس اِک بہانہ چاہیے

اتنے قریب آ گئے
اب دُور جانا چاہیے

آنکھوں کے واسطے کوئی
سپنا سُہانا چاہیے

ہے بابِ دل کھُلا ہوا
اب اُس کو آنا چاہیے

تو سوچ لینا

گھٹائیں جُھوم کے صحرا کی سمت آنکلیں
گُلاب چیر کے سینہ چٹان کا مہکیں
لگیں جو ریت کے ذرّے بھی کہکشاں جیسے
فلک کے چاند کو دھرتی پہ رشک آنے لگے
اور آبشاروں سے نغمہ کوئی اُبھرنے لگے
یہ تار دل کا کسی نام پر لرزنے لگے
جو سوتی آنکھوں میں یکبار خواب جاگ اُٹھیں
فسوں خزاں کا بہاروں سے ہم کلام لگے
اُترنے پلکوں میں اِک سُرمئی سی شام لگے
کسی کے ہونٹوں کی خاموشی اک پیام لگے
رفاقتوں کا بھی موسم ٹھہر ٹھہر جائے
تو سوچ لینا، محبت تمہیں ہوئی کہ ہوئی

○

جب ملے حُسن کے خدا نکلے
آزمایا تو بے وفا نکلے !

اُنگلیاں ہم تراش لیں اپنی
وہ کبھی سامنے تو آ نکلے

گھات میں موت ہے جدھر ہر پل
آپ ہم اُس گلی میں جا نکلے

ایک دستک پہ در نہیں کھولا
شاید اِس بار بھی صبا نکلے

غم بھی کچھ کم نہیں تھے جیون میں
اشک تو اِن سے بھی سوا نکلے

عجیب اب کے بہار آئی

کسی کی آنکھوں کی آبجو میں ہوئی روانی
کسی نے دل سے لگا کے رکھی کوئی نشانی
کسی کو آئی ہے یاد پھر سے کوئی کہانی
کسی نے تصویر پھاڑ ڈالی کوئی پُرانی
عجیب اب کے بہار آئی ——
کسی کو پھولوں سے آج شکوہ سوا ہوا ہے
کسی کی سانسوں میں اک دھواں سا بھرا ہوا ہے
کوئی تو آغاز میں سفر کے تھکا ہوا ہے
کسی کا لہجہ گُلاب رُت کا ڈسا ہوا ہے
عجیب اب کے بہار آئی
کسی نے ساحل پہ گھر بنا کر گرا دیا ہے

کسی نے آنگن کے پیڑ ہی کو جلا دیا ہے
کسی نے اپنی بصارتوں کو بجُھا دیا ہے
سماعتوں کو کسی نے یکدم سُلا دیا ہے
عجیب اب کے بہار آئی

کسی کو آیا ہے یاد پھر سے وصال کوئی
کسی کو آیا ہے پھر کسی کا خیال کوئی
کسی کے ہونٹوں پہ رہ گیا ہے سوال کوئی
نفَس نفَس میں سُلگ رہا ہے ملال کوئی
عجیب اب کے بہار آئی

○

چاند کی آنکھ نے حیرت سے تکا دیر تلک
رات پلکوں میں کوئی عکس جگا دیر تلک

کسی موہوم سی اُمید نے دم توڑ دیا
دل میں پھر ہو گا نیا شور بپا دیر تلک

زرد رُت سے بھی وہ اِک لمحہ گلابی نہ مٹا
شہرِ گُل یوں تو اُجڑتا ہی رہا دیر تلک

دل کی دھرتی تو چٹختی رہی بے آب تو پھر
کیوں برستی ہی رہی کالی گھٹا دیر تلک

پھر کوئی وصل کی زنجیر ہلاتا ہے کہیں
درد پھر ہجر کا ہونا ہے سوا دیر تلک

نہیں انکار، یہ ہو جاتی ہے پل بھر میں بتولؔ
لوگ پاتے ہیں محبت کی سزا دیر تلک

○

یقیں سایوں میں ڈھلتے جا رہے ہیں
گماں سچ میں بدلتے جا رہے ہیں

گہر آنکھوں میں چمکے ہیں جبھی تو
جگر میں گھاؤ پلتے جا رہے ہیں

ہوئے ہیں بے سرو ساماں پرندے
جو ان کے گھر تھے جلتے جا رہے ہیں

کسی پل بھی بدل سکتے ہیں راہیں
ابھی جو ساتھ چلتے جا رہے ہیں

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

نہ جانے شب کِسے دیکھا ہے لُٹتے
ستارے ہات ملتے جا رہے ہیں

رُکاوٹ کی عدم موجودگی میں
سمے ملنے کے ٹلتے جا رہے ہیں

بتوَل ہونٹوں پہ تھے خاموش ارماں
جو پلکوں پر مچلتے جا رہے ہیں

○

دل کا سودا ہوتے ہوتے رہ بھی جاتا ہے
پکا کوٹھا پل میں اکثر ڈھ بھی جاتا ہے

قید ہیں اور نہ جانے کتنے ساگر سینے میں
روز آنکھوں سے ایک سمندر بہہ بھی جاتا ہے

منڈلاتا بھی خود ہے پھُولوں کلیوں پر بھنورہ
ساری دُنیا ہر جائی ہے کہہ بھی جاتا ہے

آپ سے لفظ "وفا" سُنتے ہی لہجہ تلخ ہوا
ورنہ دل تو ہر اِک صدمہ سہہ بھی جاتا ہے

جیون کے شطرنج پہ کِس نے جیت سدا دیکھی
اِس میں مات کی منزل تک تو شہہ بھی جاتا ہے

○

محبت روگ ہوتی ہے کہا بھی تھا
رُلا کر خود بھی روتی ہے کہا بھی تھا

کنارے کے بہت نزدیک لے جا کر
یہ کشتی کو ڈبوتی ہے کہا بھی تھا

اِسے تُم دل کی دھرتی کا پتہ مت دو
یہ اس میں درد بوتی ہے کہا بھی تھا

محبت میں خوشی کے بعد غم کی رُت
بہت نزدیک ہوتی ہے کہا بھی تھا

لُٹا کر دل کو رونے سے بھی کیا حاصل
بہت نایاب موتی ہے کہا بھی تھا

ازل سے اس کی فطرت ہے، زمانے کو
جگا کر آپ سوتی ہے کہا بھی تھا

یہ سر سے پاؤں تک بس راکھ کر دے گی
بہت بے درد جوتی ہے کہا بھی تھا

○

ملال اُس کو بچھڑنے کا کچھ ہوا تو ہو گا
کہا نہ ہو گا کسی سے کچھ بھی، سُنا تو ہو گا

وصال لمحوں کا عکس سوچوں میں جب بھی جاگا
یہ ہجر آنکھوں میں ریت بن کر چُبھا تو ہو گا

کبھی کبھی تو ہوائیں آ آ کے پُوچھتی ہیں
وہ شخص اپنا بہت ہی اپنا لگا تو ہو گا

اُجڑ گیا ہے گلاب جیسے، تو کیا ہوا پھر
یہ دل مُسافر فراق رُت کا بسا تو ہو گا

وہ بعد مدت ملا تو پوچھا اُداس کیوں ہو ؟
کہا، جو شعلوں میں گھِر گیا تھا جلا تو ہو گا

ہزار سانپوں کا زہر پی کر وہ جی رہا تھا
وگرنہ یادوں نے ناگ بن کر ڈسا تو ہو گا

وفا کی وادی میں خار راتوں کو جاگتے ہیں
گلاب رُت سے قصور کوئی ہوا تو ہو گا

چلو ستارے تو سارے غیروں میں بانٹ ڈالے
بتول قسمت کے پاس کوئی دیا تو ہو گا

○

ہوئی کسی سے مُلاقات یہ تو ہونا تھا
تھا مختصر سا بہت سات یہ تو ہونا تھا

تجھے کہا بھی تھا مٹی کا گھر نہیں اچھا
لو سر پہ آ گئی برسات یہ تو ہونا تھا

بچھڑ کے جینے کی ضد دل نے کر تو لی پوری
مگر تڑپتا ہے دن رات یہ تو ہونا تھا

یہ کھیل دل کا نہیں ٹھیک، لوگ کہتے تھے
وہی ہوا ناں، ہوئی مات یہ تو ہونا تھا

بتولؔ چاہا تھا یہ کیوں، خزاں میں پھول کھلیں
لو خار خار ہوئے ہات یہ تو ہونا تھا

میں کیا تھی.....؟

اُس نے کہا،
تم بہت مُنفرد، بہت خاص، لڑکی ہو
اور میں نے کہکشاں کو قدموں تلے روند ڈالا
اُس نے کہا،
تم بہت عام سی لڑکی ہو
اور میں نے چُپکے سے مٹی اوڑھ لی

بہت مشکل وفا کے سلسلے ہیں
سمجھ لو پھول پتھر میں کھلے ہیں

فاخرہ بتول کا شعری مجموعہ "چاند نے بادل اوڑھ لیا" اِن شعری مجموعوں سے بہت مختلف کتاب ہے جو ان دنوں شائع ہو رہے ہیں۔ اُردو غزل میں عشق کا اظہار روایت کے طور پر مرد کی طرف سے ہوتا ہے۔ مگر جدید غزل میں کبھی کبھی عورت بھی اظہارِ محبت میں پہل کرتی ہے۔ کسی زمانے میں اس کے لیے گیت کی صنف مخصوص تھی۔ فاخرہ بتول نے گیت کو غزل بنا دیا ہے، اس نے نسائی جذبات کا اظہار غزل کے پیرائے میں کیا ہے۔ ویسے تو یہ نئی بات نہیں ہے مگر جس التزام سے یہ طرزِ احساس فاخرہ بتول کے ہاں نظر آتا ہے کہیں اور دکھائی نہیں دیتا۔ یہ کتاب عورت کی زبان میں محبت کے جذبات کا اظہار ہے جو بھرپور بھی ہے اور متنوع بھی۔ اِس مواد کے لیے کتاب کا نام بہت خوبصورتی سے چُنا گیا ہے۔ چاند واقعی بادل اوڑھ کر اپنی کیفیات کو بیان کرتا ہُوا نظر آتا ہے۔

شہزاد احمد